

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226372

UNIVERSAL
LIBRARY

لاہور کے دارالعلوم اسلامیہ میں شائع ہوا
مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور

بفضلہ و نفعہ

مقدمہ

تفسیر جامع الایمان
تشریح آیات القرآن

جس میں

قرآن شریف کے نزول الٰہی جمع ترتیب تہذیب قرأت کتابت اشاعت و رسم الخط کے اصول وغیرہ
جمع مضامین ضروریہ پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے
مولفہ و مرتبہ

فتح الدین انصاری ازہر ابن حکیم غلام محمد مرحوم خوشاب
۲۹ < ۵ ۱

۱۳۲۲ھ

ضلع شاہ پور

۱۹۲۳ء

روزانہ دارالعلوم لاہور میں شائع ہوا
مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور

فہرست مضامین معارف القرآن فی تفسیر روح البیان فی تشریح آیات القرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	قرآن مجید کے یاد کرنا کا قدرتی انتظام	۱	دیباچہ
۲۹	امامت جماعت	۳	ساتھ کتابیں عبارت بالمعنی کی قسم سے ہیں۔
۳۱	امامت جماعت کے فوائد	۴	قرآن مجید مجرب ہے
۳۳	تعلیم قرآن اور اس کا حفظ	۵	وجہ اعجاز کلام مجید
۳۶	پادری ولیم میو کا قول حفظ کلام مجید کے متعلق	۱۰	کلام مجید کی تعریف عیسائیوں کی زبان سے
۳۹	قرآن پڑھنے والے قاریوں کے نام	۱۱	نزول کلام مجید
۴۱	قرآن شریف کس طرح لکھا گیا	۱۲	حقیقت نواب
۴۳	ترتیب سور کے متعلق میو کے خیالات	۱۳	حقیقت وحی
۴۵	سور کے خیالات کا اضطراب	۱۴	قرآن مجید وحی منسوب ہے
۴۷	ترتیب سور پر حدیث کی شہادت	۱۵	نست وحی کی قسم سے ہے۔
۴۹	آیتوں میں سوروں کی ترتیب توفیقی ہے	۱۶	تاریخ نزول کلام مجید
۵۱	عہد نبوی میں سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ پڑھی جاتی تھی	۱۷	کیفیت نزول وحی
۵۲	سورتوں کے نام توفیقی ہیں	۱۸	حفاظت کلام مجید
۵۴	سورتوں کے اقسام	۱۹	متفہم و تنقید آیات قرآنیہ کا زمانہ
۵۶	احساس ضرورت جمع کلام مجید	۲۰	حفاظت ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
۵۸	کلام مجید کس طرح جمع کیا گیا	۲۱	قرآن شریف کس طرح ضبط ہوا
۵۹	زید کی تحریر بعف کا طریقہ	۲۲	سودہ طہ لکھی ہوئی تھی
۶۰	تھقف مدینی کے متعلق میو کی رائے	۲۳	کاتبان وحی کے نام
۶۱	جمع کلام مجید میں زید کی خصوصیت	۲۴	تحریر کتابت اللہ پر قرآن کی شہادت
۶۲	مصاحف عثمانی	۲۵	قرآن شریف کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ

۵۸	اختلاف قرأت کیوں ہوا	۸۰	ابن عربی کا دعویٰ سے تناسب ٹھکریں
۶۰	عجمیوں میں قرأت کا اختلاف	۸۱	سبعہ احرف
۶۱	عمر بن خطاب کا فتویٰ سے ترک احرف میں	۸۲	روایت ابو شامہ
۶۲	مصاحف عثمانی کے کاتب	۸۳	روایت ابن عباس
۶۳	مصحفین معاویہ قابل غور ہیں	۸۴	روایت ابن مسعود
۶۴	سبعہ احرف کی علت پر کوئی آیت نہیں لکھی گئی۔	۸۵	روایت ابی بن کعب
۶۵	فوائدات جہاں مصاحف بھیجے گئے۔	۸۶	روایت عمر بن الخطاب
۶۶	عثمان کی کارروائی پر ابن مسعود کا اعتراض	۸۷	روایت جابر
۶۷	ابن مسعود کے اعتراض پر صحابہ کی ناماشکی	۸۸	روایات احرف مذکورہ پر ایک نظر
۶۸	عبداللہ بن مسعود کی عدم شرکت	۸۹	مہاشام کا اسلام
۶۹	بنی ادنا یغیب	۹۰	نتیجہ روایات احرف
۷۰	تالیف اہل	۹۱	عام قبائل عرب کب اسلام لائے
۷۱	دوم - تالیف ابی	۹۲	سبعہ احرف کی اجازت سے کلام مجید کا نزول
۷۲	سوم - تالیف علی کرم اللہ وجہہ	۹۳	اختلاف محاورات
۷۳	جمع قرآن میں حضرت علی کا ارشاد ابو بکر صدیق کے متعلق	۹۴	احرف کی اجازت کا مطلب
۷۴	حضرت عثمان کے متعلق حضرت علی کا ارشاد	۹۵	اختلاف محاورہ کی کمی
۷۵	تردید تو ہما شیعہ میں پادری ویم سور کا فیصلہ	۹۶	اختلاف محاورہ کیوں کم ہوا
۷۶	مقدمین شیعہ	۹۷	وسعت قرأت کا خوفناک نتیجہ
۷۷	تفسیر صافی	۹۸	وسعت قرأت سے قومی تنازعہ جاتا رہا
۷۸	مصائب النواجب	۹۹	نبی کریم نمازوں میں شیعہ تفریق پر اذیت فرماتے تھے
۷۹	فوائد امیر کے اعلیٰ محدث کا قول	۱۰۰	حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ابن مسعود کے نام
۸۰	تفسیر مجمع البیان		محاورہ تفریق پر مصاحف لکھوانے کی علت
	تناسب آیات و سؤر		کیا آیات سے بعض حروف چھانٹے گئے ہیں

۱۱۴	اصل اول حذف	۹۴	صاحب القرآن کا اجتہاد
۱۱۵	اصل دوم زیادتی	۹۵	صاحب القرآن کی تحقیق پر نظر
۱۱۶	اصل سوم ہمزہ لانا	۹۶	صاحب القرآن کی تحقیق کا وزن
۱۱۷	اصل چہارم بدل ڈالنا	۹۷	نتیجہ بحث
۱۱۸	اصل پنجم وصل و فصل	۹۸	موجہ مزید قرأتیں سوا حرف الی قرأتیں نہیں ہیں
۱۱۹	اصل ششم بعض الفاظ کی کتابت	۹۹	موجہ قرأت کے پیدا ہونے کے اسباب
۱۲۰	حصص کلام مجید	۱۰۰	انفکوں کے بنوئے کیا قرأت میں اختلاف ہو سکتا ہے
۱۲۱	سورتوں اور آیتوں کی تعداد	۱۰۱	کلام مجید کی کھت کا مدار کیا چیز ہے
۱۲۲	رموز القرآن - وقف وغیرہ	۱۰۲	عربی میں کلام مجید ضبط ہو چکا تھا
۱۲۳	امائد اور فتح	۱۰۳	کلام مجید کی کھت تحریر خدا کی محبوبی شہادت ہے
۱۲۴	ادغام - اظہار	۱۰۴	موجودہ قرأتوں کے پیدا ہونے کے اسباب پر پورے کی رائے
۱۲۵	مد و قصر	۱۰۵	کیا اجماع صحابہ کا خلاف جائز ہے
۱۲۶	سکون	۱۰۶	آخر کے متعلق فقہار و محدثین و مفسرین کے فتوے
۱۲۷	مد کا معنوی سبب	۱۰۷	علامہ صاحب فتح الباری کا قول
۱۲۸	خبر و انشاء - تعجب	۱۰۸	صاحب شرح السنہ کا قول
۱۲۹	دعا و ترجی	۱۰۹	علامہ احمد قسطلانی فرماتے ہیں
۱۳۰	نفی و جہ	۱۱۰	ابن جریر بحر کی تحقیق
۱۳۱	اعراض نفی - استطاعت فائدہ	۱۱۱	ابو شامہ شاذانہ قاری سجاوندی کا قول
۱۳۲	انشاء کے اقسام - استنبہام	۱۱۲	فاضل طحاوی لکھتے ہیں
۱۳۳	امر - نہی - تنہی - ترجی	۱۱۳	قرآن مجید کی رسم الخط
۱۳۴	نہی - قسم	۱۱۴	قرآن مجید کے الفاظ کی شکلیں لوح محفوظ کی شکلیں ہیں
۱۳۵	بدل	۱۱۵	مصحف کے رسم الخط کے متعلق امام مالک کا ارشاد
۱۳۶	توابع	۱۱۶	رسم الخط میں چھ اصول قابل توجہ

۱۶۵	سبا۔ بلقیس کی کیفیت	۱۳۹	عطوفت بیان۔ خاصہ کی عطوفت عام پر فطریہ
۱۶۶	سدائب۔ سبیل ورم	۱۴۰	الفتح بعد الایہام
۱۶۷	شیخ (خاندان تباہ)	۱۴۱	تفسیر۔ اسماء و نظیر کی جگہ
۱۶۸	ہل یمن کا قدیم مذہب	۱۴۲	ایضاح۔ تبدیلی۔ طرد و مکس
۱۶۹	تجاشی۔ ہجرت گاہ محابہ۔ احباب انبیل	۱۴۳	تکبیل۔ تیم۔ استقصاء
۱۷۰	مقام محابہ اللہ خود۔ نجران	۱۴۴	استقصاء تکبیل تیم میں فرق
۱۷۱	حجر۔ محابہ الحج	۱۴۵	اعراض المغات
۱۷۲	السم۔ غلبت الروم	۱۴۶	اعراض و اعراض تعلیل
۱۷۳	مدینہ منورہ۔ شیرب	۱۴۷	تفسیر انبیا کے اسماء و کیفیات
۱۷۴	بدر۔ احد	۱۴۸	قرآن مجید میں تہوں کے نام
۱۷۵	حنین۔ شعر الحرام	۱۴۹	مناجی و طبقات مفسرین
۱۷۶	سفر و بائیں	۱۵۰	طبقات القراء
۱۷۷	سفا و مروہ	۱۵۱	مروجہ قرأت کے سات امام
۱۷۸	سجدہ قصی۔ بیت المقدس	۱۵۲	قرآن مجید میں خاص مقاموں و درجوں کے نام
۱۷۹	حوادثات بیت المقدس کے ساتھ بائیں کی	۱۵۳	کبر۔ کرمہ کی مختصر کیفیت
۱۸۰	تمام کتابیں ضائع ہو گئی ہیں	۱۵۴	مقام قاد و ارم و خدا و امی
۱۸۱	چارلس ڈالین صاحب کی تحقیق	۱۵۵	احقاف بین
۱۸۲	ڈاکٹر ملز کہتے ہیں	۱۵۶	مقام نمود۔ نمود کی بستیاں
۱۸۳	ایک محقق کا قول	۱۵۷	میرن
۱۸۴	ہارن صاحب کہتے ہیں	۱۵۸	ایک
۱۸۵		۱۵۹	تیم۔ اصحاب کہف

المُقَرَّر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَبَّ

”الَمْ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“

”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“

دنیا کے لائینہاء و حدودِ زمان اور اُس کے ناپید اکنار میدان میں صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی بینظیر اور ہمیشہ کتاب نظر آتی ہے۔ جس کی پیشانی پر ایک طرف ”ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ اور دوسری طرف ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ کا نقشِ آبِ زر سے لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس مبارک کتاب کو نازل ہوئے آج تیرہ سو سال گزرتے ہیں۔ لیکن اُس کی زبر - زیر - پیش بلکہ ایک نقطہ میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی واقعہ نہیں ہوئی۔ عبارت اور جملوں کی تحریف تو بجائے خود رہی۔ اس کے الفاظ کی درسم تخریر اور طرزِ ادائے کلمات میں بھی ایک بال برابر فرق نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح نازل ہوا ہے۔ اور جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

لے یہی کتاب ہے جس میں شک کو گنجائش نہیں ہے

یہ ہم ہی نے ذکرِ قرآن بھیجا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے

کی زبان مبارک سے اس کے الفاظ نکلے ہیں۔ اور جس رسم تحریر پر آپ صلعم نے اس کی آیتوں کو لکھوایا ہے۔ اسی رسم تحریر پر بلا کم و کاست بلا تغیر و تبدل سارے کا سارا کلام مجید لکھا ہوا آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اور تمام دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ اور اُسی نبوی طرزِ ادا کے ساتھ مشرق سے مغرب۔ شمال سے جنوب تک عرب و عجم کی زبان پر یکساں پڑھا جاتا ہے۔ آپ اگر مغرب میں ایک شخص ہے ایک آیت قرآنی کو سنیں۔ اور پھر اقصائے مشرق میں جا کر اسی آیت کو دوسرے مسلمان سے سماع کریں گے۔ تو اُس میں سرِ موقوف نہ پائیں گے :

انبیائے سابقہ پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک کتاب یا صحیفہ یا ان کے چند ورق یا کم سے کم ایک آیت یا جملہ بھی ایسا نہیں دکھا یا جاسکتا۔ جو اوصافِ مذکورہ میں قرآن شریف کا مُقابل بن سکے۔ توراۃ۔ انجیل و زبور کے ماننے والے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ اور اب بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور یہ کتابیں نسلاً بعد نسل منتقل ہو کر اُن کے پاس پہنچی ہیں۔ لیکن کوئی شخص بھی کسی ایک نسخہ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ تمام کتاب یا اُس کا بعض بعینہ وہی ہے۔ جو صاحبِ کتاب پر پنجاب اللہ نازل ہوا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کلامِ مجید کا ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ اُسی نزولی آب و تاب کے ساتھ آج تک ویسے ہی فضائے دُنیا پر چمک رہا ہے۔ جس طرح کہ خداوندِ عالم کی طرف سے بواسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اب سے تیرہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور بفضلِ ایسے ہی قیامت تک محفوظ و مہزون رہے گا۔

أَفَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْآيَاتُ أَنْ يَقُولَ لَآ تَنْزِلُنِي - أَبَدًا عَلَى الْآفَاقِ لَعَلَّهُ لَا تَعْرِفُ
حضرت سرورِ کائنات علیہ العقیقۃ والتسلیمات کا ارشاد مبارک ہے۔ "نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ اس کو آیات الہیہ میں سے بعض آیتیں دی گئی ہیں۔ اور

لے گزشتہ اہل کمال کے آفتابِ غروب ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمارا آفتابِ اوجِ رفعت پر ہمیشہ چمکتا رہے گا اور کبھی غروب نہ ہوگا۔

جو چیز مجھے دی گئی ہے۔ وہ وحی ہے۔ کہ اس کو خداوند تعالیٰ نے مجھ پر بھیجا ہے۔ لہذا میں اُمید کرتا ہوں۔ کہ میں ان تمام نبیوں سے زیادہ پیور رکھنے والا ہوں گا۔ وہ حدیث یہ ہے :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ بَنِي الْإِسْلَامِ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنْ الْكَوْنِ وَرَأْسًا كَانَ الَّذِي أُؤْتِيَتْ وَحْيًا أَوْ حَاةً اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنِّي فَارَحُّوْا أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اس حدیث مبارک کی تخریج امام بخاری نے کی ہے۔ اور کہا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں :- تمام نبیوں کے معجزات اُن کے زمانوں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی مٹ گئے۔ اس واسطے اُن معجزوں کو صرف انہی لوگوں نے دیکھا۔ جو کہ اس زمانے میں حاضر تھے۔ اور قرآن مجید کا معجزہ قیامت کے دن تک دائمی ہے۔ وہ اسلوب بیان اور بلاغت اور غیب کی خبریں بتانے میں خرقِ عادت ہے کوئی زمانہ ایسا نہیں گذریگا۔ کہ اُس میں کوئی قرآنی پیشین گوئی ظاہر نہ ہو کر اس کے دعوئے کی صحت پر دلالت نہ کرے۔

ایک دوسرا قول اس حدیث کے معنی میں اس طرح پر ہے :- ”گذشتہ زمانہ کے نبیوں کے معجزات جستی اور آنکھوں سے نظر آنے والے تھے۔ مثلاً صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔ اور قرآن مجید کا معجزہ عقل و ادراک کے ذریعے سے مشاہدہ میں آتا ہے۔ اس لئے اس کی تتبع کرنے والے لوگ بکثرت ہونگے۔ کیونکہ آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیز اپنے دیکھنے والے کے فنا ہوتے ہی خود بھی فنا ہو جاتی ہے۔ مگر جو چیز عقل کی آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ وہ باقی رہنے والی شے ہے۔ اُس کو ہر ایک شخص یکے بعد دیگرے دائمی طور پر دیکھتا رہیگا۔“

سابقہ نذر کتابیں رعایت جاننا چاہئے کہ سابقہ کتابیں مثل تورات۔ انجیل و زبور اور بالعمنی کے قسم سے تعین دوسرے صحیفے رب کے سب روایت بالمعنی کے قسم سے تعین (اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے) اس لئے وہ تحریف وغیرہ تصرفات انسانی سے محفوظ نہیں ہیں۔ اور ان کے شارعین کے معجزات جستی یعنی بَدَآءِ عِلَل یا عواس کے ذریعے سے حاصل

ہو سکتے والے تھے۔ جن کا اثر و پیر پائیں ہوتا۔ یہ دو نو باتیں سابقہ شریعتوں کے عدم دوام کی دلیل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر معجزات عقلی ہیں۔ سب سے زیادہ تابعدار قابل و ثوق معجزہ قرآنی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتوں میں سے ایک جلیل القدر علیہ ہے۔ بمقابلہ دوسرے تمام مذاہب کے چونکہ شریعت مصطفوی علیہ السلام ہی قیامت تک صفحہ ہستی پر باقی رہنے والی شریعت ہے۔ اس واسطے اس کو یہہ خصوصیت حاصل ہوئی۔ کہ اس کے شارع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ قائم و دائم اور باقی رہنے والا عقلی معجزہ (قرآن مجید) دیا گیا۔ تاکہ اہل بعیرت ہر زمانہ میں اپنی اپنی بیعت کے موافق اُسے دیکھ کر اپنی رُوحوں کو نور ایمانی سے تازہ و سنوڑ کر سکیں۔

قرآن مجید مُعْجَزہ ہے

جلاظت لکھتے ہیں خداوند کریم نے حضرت ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں پیدا کیا۔ جبکہ عرب کی قوم خطابت اور شاعری کے انتہائے مراتب فصاحت و بلاغت میں پہنچی ہوئی تھی۔ اور ان کی زبان محکم ترین السنہ تھی۔ اور وہ الفاظ کا نہایت وسیع اور دافرزانہ رکھتی تھی۔ ایسی حالت میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اللہ کے ایک ماننے (توحید) اور اپنی رسالت کی تصدیق کی طرف بلایا۔ اور قرآن مجید کی آیتیں اپنی دعوت کی حجت میں پیش کیں۔ رفعِ خصومت کے لئے انہیں معاہدے کی دعوت بھی دی۔ کہ اگر تم قرآن کو کلام غیرِ دمی اور مجھے غیرِ صادق تصور کرتے ہو۔ تو قرآن کی مثل ایک آدھ سورت بنا لاؤ۔ ”فَاَنْتُمْ لِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ“ پھر جس قدر آپ صلعم ان سے تحدی فرماتے۔ اُن کے حوصلے پست ہوتے جاتے۔ جب ان سے کچھ نہ بن پڑی۔ تو کہنے لگے۔ یہ گذشتہ قوموں کے حالات ہیں۔ اور ہم ان سے لاعلم ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تاریخی واقعات نہ سہی۔ من گھڑت باتیں ہی جمع کر لاؤ۔ لیکن اس پر بھی کسی زبان آور کا حوصلہ نہ بڑھا۔ انتہی۔

حاکم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک وقت ولید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن پڑھ سنایا۔ ولید کا دل نرم ہو گیا۔ ابوجہل کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو وہ ولید کے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے چچا! قوم چاہتی ہے۔ کہ چندہ کہہ کے بہت سامان تمہیں دے۔ کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہ جاؤ۔ اور اس کا کلام نہ سُنو۔ ولید نے کہا۔ میری قوم خوب جانتی ہے۔ کہ میں ان میں خاصا مالدار ہوں۔ ابوجہل نے کہا۔ تو پھر ان کی بدگمانی رفع کرنے کے لئے قرآن کے بارے میں کچھ ایسا کہو۔ جس سے قوم کو معلوم ہو جائے۔ کہ تم اس کو ناپسند رکھتے ہو۔ ولید نے کہا۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ تم لوگوں میں کوئی شخص شعر۔ رجز۔ قصیدہ۔ اور اشعار جن کا جاننے والا مجھ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مگر اللہ جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے۔ وہ ان میں سے کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی۔ اور واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول میں ایک خاص شیرینی اور لطافت ہے اور جیسے اس کا فلاہر پُر مغز ہے۔ باطن معدنِ حلاوت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کلام بالاتر اور رفیع ہے۔ اس پر کسی کو بلندی حاصل نہ ہوگی۔ اور یہ بھی یقین ہے۔ کہ وہ اپنے سے نیچی چیزوں کو عنقریب پامال کر ڈالے گا۔ اس گفتگو سے ابوجہل دم بخود ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ ان باتوں سے تمہاری قوم تم سے خوش نہیں ہو سکتی اگر اپنے بھائی بندوں کو چاہتے ہو۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مذمت کرو۔ ولید نے کہا۔ اچھا مجھے سوچنے دو۔ بھڑکنا۔ یہ تو مؤثر جاؤ ہے۔ اور اس میں یہ اثر کسی غیر کی طرف سے آتا ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ جس وقت جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مُجز کتاب کو اہل عرب کی طرف لے کر آئے۔ وہ ایسا وقت تھا۔ کہ اہل عرب نصیبوں کے سرتاج اور آتشِ زباں مقررہوں کے پیشوا بنے ہوئے تھے۔ قرآن نے اس وقت متحدی کی۔ ان کو کہا۔ کہ یہ میرا مثل لاؤ۔ اور بہت برسوں تک انہیں مُملکت بھی دی۔ مگر فصحاء عربیہ اس کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جلّ و علاّ فرماتا ہے۔ فَذَلِكُنَّ أَصْحَابُ اللَّهِ الْخَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِّ الْفَاسِقِينَ۔ اس کے بعد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بفرمان الہی ان سے ولس سورتوں کے برابر قرآن جیسی کلام پیش کرنے کی تحدی کی - ان کو کہا -

”اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاَنْتَوُا بَعْثُ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مَفْتَٰرٰتٍ وَاَدْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنْمَّا اَنْزَلَ لِعَلِّمِ الْاِنْسَانَ

اس کے بعد پھر ان سے ایک ہی سورت بنالانے کی تحدی فرمائی - بقولہ - اَمْ يَقُولُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاَنْتَوُا بَسُوْرَةٌ مِّنْ مِّثْلِهِ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ اِنْ هِيَ اِلَّا مِثْلُ الَّذِیْ كُنتُمْ یَكْفُرُوْنَ - اور وہ قرآن کی مثل ایک سورۃ کے بنالانے سے بھی عاجز رہ گئے - جب اوہر سے کوئی صدا بلند نہ ہوئی - تو باوازا بلند سخاں اللہ کہہ دیا گیا - کہ مشرکین عرب باوجود بلیغوں اور خطیبوں کی کثرت کے قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے ہیں - پس قرآن کا معجزہ پایہ نبوت کو پہنچ گیا - بقولہ ”قُلْ لِّیْنِیْ جَمَعَتْ الْاِلٰهَۃُ وَابْعَثْ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کَا یَاکُوْنُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا“

اگر قرآن مجید کا معارضہ ان کے امکان میں ہوتا - تو وہ قطعاً کر گزرتے - اور قرآن کی تحدی توڑ کر جھگڑا مٹا دیتے - لیکن کوئی روایت اس بارے میں وارد نہیں ہوئی کہ مشرکین عرب کی جانب سے کسی کے دل میں قرآن کے معارضہ کا خیال تک بھی آیا ہو - یا اس نے اس کا قصد کیا ہو - بلکہ جہاں تک معلوم ہوا ہے - وہ یہ ہے - کہ جب مشرکین کے خطیبوں بلیغوں کی کثرت اور ان کے اجتماع سے بات نہ چل سکی - تو وہ جاہلانہ حرکتوں - دشمنی اور عداوت اور نکمٹی باتوں پر اتر آئے - کبھی مسلمانوں سے دست بگریبان ہو جاتے - کبھی بیجا ہنسی - سخری اور بے طور مذاق کرنے لگتے - کبھی قرآن کو جادو کہہ دیا - کبھی سحر و افسانہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیا - لیکن اس طرح سے بھی کام نہ چلا - تو نلوار پر راضی ہو گئے - اپنی اور اپنے اقارب کی عزیز جانیں کھوئیں -

عورتوں بچوں کو مسلمان فاتحین کا جنگی قیدی بنوایا۔ مال و سامان غنیمت میں دینا گوارا کیا۔ یہ سب آفتیں کن لوگوں پر آئیں۔ جو خاندان عرب میں بڑے بڑے غیر متقدم باجمیت لوگ شمار ہوتے تھے۔ اگر قرآن کا مثل پیش کر دینا ان کے بس میں ہوتا تو وہ کیوں اتنی ذلتیں سہیتے۔ اور ایک آسان بات کے مقابلہ میں ایسا دشوار امر کیوں گوارا کرتے ؟

وجہ اعجاز قرآن مجید

قرآن مجید اپنی نظم عبارت۔ معنیٰ شستگی الفاظ حسن تشبیہ۔ رعایت سیاق و سباق اور کمال فصاحت و بلاغت کے باعث مجز ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں۔ کمال کلام متکلم کی بلوغ علمی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور کلام مجید ایسے متکلم کا کلام ہے۔ جس کا علم تمام چیزوں پر محیط ہے۔ اور ایسے ہی تمام وجوہ کلام پر بھی۔ لہذا جس وقت کوئی لفظ قرآن مجید کا مرتب ہوا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے احاطہ علمی سے یہ معلوم کر لیا۔ کہ کونسا لفظ پہلے لفظ کے بعد آنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایک معنی کے بعد دوسرے معنی کی تبیین کر سکتا ہے۔ پھر اسی طرح اول قرآن مجید سے آخر تک اس کی ترتیب ہوئی۔ لہذا قرآن مجید کا ایک ایک حرف ایسا ٹکڑا ہوا اور پرکھا ہوا ہے۔ کہ اگر اس میں سے ایک کلمہ کو نکال ڈالیں۔ اور پھر تمام عرب کی زبان چھانٹ کر اس سے اچھا لفظ لانا چاہیں۔ تو ہرگز نہ ملیگا۔ بلکہ اس جیسا لفظ بھی ملنا محال ہے۔ جو اس موقع پر رکھا جاسکے۔ قرآن کے ذریعے سے عرب کی دنیا پر اس لئے حجت قائم ہوئی۔ کہ وہ فصاحت و بلاغت اور خطابت میں بدیع کمال پہنچے ہوئے تھے۔ اور ان کی طرف سے معارضہ ہونے کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ساحروں پر اور عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ طبیعوں پر حجت ہوا تھا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مشہور وجہ پر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو ان کے زمانہ کا مدیح ترین امر قرار دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا فن غایت

درجہ امیر کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ لہذا ان کے معجزات اس طرح مقرر ہوئے۔ جنہوں نے سحر اور طب کو نیچا دکھا دیا۔ ایسے ہی ہمارے ادنیٰ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فصاحت اور خوش بیانی اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ چکی تھی۔ اس لئے آنجناب علیہ السلام کو وہ معجزہ دیا گیا۔ جس نے فصاحت عرب کی زبان بند کر دی۔ اور ان کے غرور و خطابت کو توڑ ڈالا۔ انتہی۔

قاضی ابوبکر کہتے ہیں۔ قرآن کی ترتیب اور اس کی نظم کا انوکھا پن اس کے اعجاز کا باعث ہے۔ علامہ فخر رازی لکھتے ہیں۔ قرآن کی وجہ اعجاز اس کی فصاحت اور اس کے اسلوب بیان کی جدت ہے۔

علامہ اصفہانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قرآن نہ فصاحت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ نہ معانی کے لحاظ سے۔ کیونکہ فصاحت نفس عنصر عربی (الفاظ) کے ساتھ متعلق ہے۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ وہی ہیں۔ جواہل عرب بولا کرتے ہیں۔ اور جن سے وہ اپنی کلام کو ترتیب دیتے ہیں۔ اور اگر معانی کے لحاظ سے کہو۔ تو یہی معانی گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں بھی تھے۔ جس کا قرآن خود معترف ہے۔ ”وَ اِنَّہٗ لَفِیْ ذِکْرِ الْاَوَّلِیْنَ“ اسی طرح اخبار بالغیب کی وجہ سے اعجاز ہونے کا مرجع بھی قرآن کی نظم اور اس کی فصاحت و بلاغت نہیں ہے۔ کیونکہ غیب کی باتیں اگر کیسی ہی بھدی زبان میں کسی جائیں۔ وہ معجزہ ہیں۔ اس لئے کہ ان کا اعجاز تو صرف اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ بلا تعلیم کے حاصل ہوئی ہیں۔ بلکہ قرآن کا اعجاز صرف اس اسلوب بیان کی وجہ سے ہے۔ جو قرآن کے سوا کسی نہیں پایا جاسکتا۔ انتہی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر قرآن کو اس کی فصاحت و بلاغت۔ اخبار بالغیب اور معانی کے لحاظ سے معجزہ کہا جائے۔ تو اس کے یہ سنی ہونگے۔ کہ قرآن کا اعجاز اضافی ہے۔ یعنی وہ بہ نسبت دوسروں کے بالاتر ہے۔ برخلاف اس کے قرآن اپنے اسلوب بیان میں بالکل نرالا ہے۔ لہذا یہی کہنا انشعب ہے۔ کہ قرآن کی وجہ اعجاز اس کا اسلوب بیان ہے۔ جو قرآن کے سوا اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ قاضی عیاض شفا میں

کہتے ہیں۔ قرآن کسی ایک وجہ سے سجزہ نہیں۔ بلکہ اس کی اجزاء کے مختلف وجوہ ہیں۔

۱۔ اس کی حسن تالیف۔ ترتیب کلمات اور بلاغت جو فطرتِ عرب سے کمین بلند و رفیع ہے؛
۲۔ اس کا عجیب و غریب اسلوب بیان جو اس ملک کے طرزیان سے بالکل جدا اور انوکھا ہے
جس کی نظر کسی کلام میں نہیں پائی جاتی؛

۳۔ وہ اخبارِ بالغیب کو شامل ہے۔ اور اس کی جملہ پیشگوئیاں سچی ہیں؛

۴۔ اس میں علوم کی دقیق اور نازک باتیں اس قدر بیان ہوئی ہیں۔ کہ کسی اور
منزلہ کتاب میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ اس کا حجم نسبتاً بہت مختصر ہے
اتنی کم عبارت میں اس قدر مضامین کا ادا کرنا انسانی فطرت سے بالاتر ہے؛

لبید بن ربیعہ مَلِکُ الشَّعْرَاءِ جَاحِلِیَّتِ رَیَ اَنَّ سَاتِ شَاعِرُوں مِی سَہِہ
جو عرب میں ممتاز تھے۔ جن کے قصائد کعبۃ اللہ میں سنہری حروف میں لکھ کر لٹکائے گئے
تھے) نے جب قرآن کی چند آئیں کعبۃ اللہ کی دیوار پر لکھی ہوئی دیکھیں۔ تو کہا: ”نا ممکن
ہے۔ کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو“ اور اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اس شاعری
کے جان داوہ نے قرآن میں وہ ذوق پیدا کیا۔ کہ پھر ایک شعر بھی نہ کہا۔ اس میں شک
نہیں۔ کہ قرآن میں ایک برقی تاثیر ہے جس سے روحانی جذبات براہِ گتختہ ہوتے ہیں۔ اور اس
کی آیات پڑھنے سننے سے طبیعت میں ایک فوہی و وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو زبان سے
بیان نہیں ہو سکتی۔ قرآن میں ہے: ”وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ“ الخ۔ کہ جب ایک
جماعت آئی۔ اور اس نے ان آئینوں کو سنا۔ جو نبی پر نازل ہوئی تھیں۔ تو ان لوگوں
کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور وہ اس کی صداقت کے قایل ہو کر ایمان لائے۔

امام غزالیؒ سے کسی نے پوچھا۔ کہ آیتہ ”وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا
فِیْہِ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا“ (قرآن اگر اللہ کے سوائے کسی دوسرے کی طرف سے جوتا
تو اس میں بہت سے اختلافات، تم کو ملتے) سے کیا مراد ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ اس سے
بہرہ ورنہیں۔ کہ اس میں لوگ اختلاف نہیں کریں گے۔ بلکہ کلام مختلف طرح کا ہوتا ہے کبھی
اس کے اول اور آخر میں فصاحت کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوتا ہے۔ کہ اس کا کچھ حصہ تو

زیادہ فصیح اور کچھ کم فصیح ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ تعلیم کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے۔ کہ وہ کلام کبھی دنیا کی طرف بُلانا ہے۔ اور کبھی دین کی طرف۔ کبھی وہ مختلف والنظم ہوتا ہے۔ کہ اس کا کچھ حصہ سوزن ہوتا ہے۔ اور کچھ غیر سوزن یعنی غیر سنج۔ کبھی کسی حصہ کا اسلوب بیان خاص قسم کا ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا اس سے مختلف۔ اور قرآن کریم اس قسم کے تمام اختلافات سے منزہ اور بالاتر ہے۔ وہ شروع سے آخر تک فصاحت و بلاغت میں یکساں ہے۔ اس کا اسلوب بیان ابتدا سے انتہا تک ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی تعلیم و غرض بھی سر سے پاؤں تک ایک ہی ہے۔ برخلاف اس کے کلام بشر ایسے اختلافات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے متکلم کے احوال و اغراض آہٹا فانا بدلا کرتے ہیں۔ اور اُس کے میلان طبعی میں یکسوئی قائم نہیں رہ سکتی۔ پھر ایسی حالت میں جبکہ کوئی ایک شخص ٹیئیس سال تک ایک ہی غرض کے مطابق کلام کرے۔ اور اس کے کلام کا ایک ہی انداز ایک ہی اسلوب ہو۔ اور باوجودیکہ اس پر مختلف احوال طاری ہوتے رہے ہوں۔ پھر بھی اس کے کلام میں اختلاف نہ پایا گیا۔ تو یقیناً یہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ کلام بشر نہیں بلکہ خداوند عالم کا کلام ہے۔

الغرض کلام مجید کا معجزہ کوئی مخفی چیز نہیں۔ بلکہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہے جن لوگوں نے مضامین قرآن میں غور کیا ہے۔ خواہ وہ کیسے ہی اسلام کے مخالف کیوں نہ رہے ہوں قرآن کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ذیل میں ہم بعض متعصب عیسائیوں کی رائے کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ اسلام کی نکتہ جینیوں میں صرف کیا ہے۔ لیکن قرآن کی نسبت اس طرح لکھتے ہیں:-

قرآن شریف کی تعریف	پادری راڈویل صاحب لکھتے ہیں:- "قرآن میں ایک گہری سچائی ہے۔ جو ان عیسائیوں کی زبان سے
	ادفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی

اور الہامی حکمتوں سے ملو ہیں۔

مورخ گبن صاحب لکھتے ہیں:- "قرآن ایک عام مذہبی۔ تمدنی۔ ملکی۔ تجارتی۔ دیوانی فوجداری وغیرہ کا ضابطہ ہے۔ وہ ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادت سے لے کر

رات دن کے کاروبار۔ روحانی نجات سے لے کر محبت جسمانی۔ جماعت کے حقوق سے لیکر حقوق افراد۔ اخلاق سے جرائم اور دنیاوی سزا سے دینی جزا و سزا وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اس میں سیاسی اصول بھی ہیں۔ جن کی بنا پر حکومت کی بنیاد پڑی۔ اور انہیں سے ملکی قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔“

ڈیون پورٹ صاحب لکھتے ہیں۔ ”منجھ ان بہت سی خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کر سکتا ہے اور وہ نہایت ہی عیاں ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ایک تو مودبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن خدا کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مد نظر رکھتا ہے۔ کہ وہ خدا سے خواہشات رفویہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا۔ اور دوسری خوبی یہ ہے۔ کہ وہ تمام غیر مذہب و ناشائستہ خیالات حکایات اور بیانات سے بالکل منترہ ہے۔ جو بد قسمتی سے یہود کے مخالف میں عام ہیں۔ اور یہ کہ قرآن تمام قابل انکار عیوب سے بالکل مبرا ہے۔ اس پر خفیف سے تفسیر خوف گیری بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ مگر تہذیب کے رخصاروں پر ذرا بھی چھپ کے آنکار نہیں پائے جائیں گے! انتہی۔“

نزولِ کلامِ مجید

قرآن کی حقیقت کا سمجھنا وحی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور وحی سے جو علوم ادراک حاصل ہوتا ہے۔ وہ بہت کچھ خواب سے مشابہ ہوتا ہے۔ حالانکہ وحی و خواب میں مرتبہ کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے۔ لہذا وحی اور خواب کی مختصر کیفیت بیان کر دینے کو ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ تاکہ دونوں میں امتیاز حاصل ہو سکے۔

حقیقتِ خواب حقیقتِ خواب یہ ہے۔ کہ نفس الملقہ انسانی کسی خاص وقت میں واقعات کی تصویر اپنی روحانی ذات میں دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ جس وقت نفس روحانیت میں ہوتا ہے۔ تو عام ذوات روحانیہ کی طرح اس میں بھی واقعات کی صورتیں بالفعل موجود ہوتی ہیں۔ رہا یہ امر کہ نفس کو روحانیت کا یہ مرتبہ کب اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کے لئے نفس کا مواد جسمانیہ و مدارک الہیہ

سے مجروح ہونا شرط ہے۔ اور یہ تجربہ سونے کی حالت میں کبھی لمحہ بھر کے لئے اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جو نبی کہ نفس کو قید جسمانی سے خلاصی ملی۔ اُس نے اپنی مرغوب پیش آنے والی باتوں کو اقتباس کر لیا۔ اور اس اقتباس کے ساتھ مدارک الہیہ کی طرف عود و رجوع کیا اسی اقتباس کا نام رویا (خواب) ہے۔ پس اگر یہ اقتباس ضعیفہ ہے۔ اور خیال میں اس کی حکایت و مثال کا طریقہ غلط ملط ہو جانے سے غیر واضح ہے۔ تو اس اُلجھاؤ کی وجہ سے اس کے سمجھنے میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر اقتباس قوی ہے۔ اور خیال میں اس کے لئے حکایت و مثال کی ضرورت نہیں ہوئی۔ تو خیال و مثال سے الگ الگ نکل گئے ہونے کی وجہ سے اس میں تعبیر کی حاجت نہیں ہوتی۔ مگر جو جسمانیہ سے نفس کو مجروح حاصل ہونے کا سبب یہ ہے۔ کہ نفس فی حَدِّ ذَاتِہَا بِانْفِوَعِ رُوحَانِی ہے۔ جسم و مدارک جسمانی سے کمال کا طالب ہے۔ اس لئے جب بدن سے تعلق محض پیدا کر لے۔ اور اس کا وجود بالفعل کامل ہوتا ہے۔ تو وہ ایک روحانی مدارک بالذات بن جاتا ہے۔ البتہ اس کی روحانیت مرتبہ اعلیٰ کے اُن ملائک کی روحانیت سے کم درجہ کی ہوتی ہے۔ جن کو کمال پانے کے لئے مدارک بدنی وغیرہ کی حاجت نہیں ہوتی غلامِ بیہم ہے۔ کہ نفس ناقضہ انسانی میں فطرتاً یہ استعداد و قابلیت ہے۔ کہ وہ امور غائبہ کا کچھ نہ کچھ اقتباس کر لیتا ہے۔ اور یہ استعداد متفاوت ہوتی ہے۔ بعض میں کم اور بعض میں زیادہ۔ نفوسِ انبیاء میں بھی یہی قوت و استعداد ہے۔ لیکن بمراتب زیادہ و قوی انبیاء علیہم السلام خاص خاص اوقات میں عام مرتبہ بشریت سے بالاتر ہو کر محض ملکیت اور اعلیٰ مرتبہ روحانیت پر پہنچتے ہیں۔ اور ان کی یہ استعداد و نزول و وحی کے وقت بار بار قوت سے فعل میں آتی رہتی ہے۔ برخلاف اس کے عام انسانوں میں یہ استعداد بالکل کم اور بہت ضعیف ہوتی ہے۔ یہی تفاوت عام لوگوں اور انبیاء کے درمیان ہے۔ اور اسی وجہ میں انبیاء کے ساتھ غیر لوگ اور غیب کے حاصل کرنے میں شریک ہیں۔ اس کے بعد وحی کا درجہ ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے ملائک قدسیہ مناسبت پیدا ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس درجہ میں حواس اور قوائے نفسانیہ بالکل

مستقل رہ جاتے ہیں۔ یہ خاصۃً انبیاء علیہم السلام ہے۔ لیکن چونکہ وہ علم کہ وحی سے حاصل ہوتا ہے۔ میں وجہ وحی سے مشابہ ہے۔ لہذا ارشاد مبارک ہوا کہ ۱۔
 الْفَرْدِیَّ جُزْءًا مِنْ سِتَّةٍ وَارْبَعِیْنِ جُزْءٍ مِنَ النَّبُوَّةِ اور دوسری روایت میں ہے۔
 ثَلَاثَةِ وَارْبَعِیْنِ۔ اور یہ حالت کبھی کبھی خواب کے سوائے بیداری میں بطریق مرقبہ
 حجاب حواس کے اٹھ جانے سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نفس ان مطالب کو حاصل
 کر لیتا ہے۔ جن کی طرف اُس کی توجہ ہے۔ اس رعایت سے ارشاد مبارک ہوا کہ لَمْ یَبْقِ
 مِنَ النَّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ۔ یعنی نبوۃ تو ختم ہوئی۔ فقط بشارات باقی ہیں۔ یعنی روایات
 صادقہ جو مصلح کو نظر آوے پس روایات صادقہ وحی نہیں۔ البتہ نبوت کی ابتدائی
حقیقت وحی علامت ہیں۔ اور وحی ان علوم الہیہ کا نام ہے۔ جن کا فیضان نبوت کے
 بعد عالم قدس سے کمالِ مناسبت پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ الغرض امورِ غیب
 جو نفوسِ انبیاء پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ اُس کے تین طریق ہیں :-

۱۔ بواسطہ رُوح القدس (۲) کبھی مسلسل کلامِ سُنیے میں آتا ہے۔ (۳) کبھی بلا
 توسط کلام و بلا توسط رُوح القدس اِلقائے روحانی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ حدیثوں
 میں انہی تینوں صورتوں کا پتہ ملتا ہے۔

(اَوَّلُ)۔ بلا کسی توسط کے اِلقائے روحانی ہوتا تھا ؎

(ثَوْنُ)۔ جس کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ بعد وحی سننے میں آتی تھی ؎

(ثَلَاثُ)۔ فرشتہ آکر کلام الہی پڑھ سنا تھا۔

وحی دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ وہ معین الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کے
 دل پر بواسطہ یا بلا واسطہ القا ہوتی ہے۔ فرشتہ اور نبی کو اس کے الفاظ بدلنے کا اختیار
 قرآن وحی متلو ہے نہیں ہوتا پس نبی انہی معینہ الفاظ منزلہ کو یاد رکھتا لوگوں کو سنانا
 اور لکھواتا ہے۔ اس قسم کی وحی کو وحی متاویفہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید اسی قسم کی وحی
 ہے ؎

۱۔ کہ خواب ۲۳ دیں یا ۲۴ دیں جُز ہے نبوت کے اجزاء سے ؎

دوسری قسم وحی کی یہ ہے۔ کہ ذہن نبی میں معین الفاظ میں وحی کا الفاظ نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معنی کا الفاظ ہوتا ہے۔ پھر نبی اسے مناسب الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ ایسے ہی کبھی فرشتہ کے دل میں معنی الفاظ ہوتے ہیں۔ اور بعد میں وہ انہیں مناسب الفاظ کا لباس پہنا کر نبی کو لاسناتا ہے۔ اس قسم کی سنت بھی وحی ہے [وحی حدیث ہے۔ پس وحی قسم اول اصل شریعت ہوتی ہے۔ اور قسم دوم اس کی تشریح اور اس کی متعلقہ ہدایات کی تفصیل ہوتی ہے۔ لہذا قرآن مجید کے متعلق جہور کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ”قرآن کریم قدیم اور غیر مخلوق ہے۔“

فاضل جوینی لکھتے ہیں۔ ”قرآن کی قرأت بالمعنی جائز نہیں مانی گئی۔ اس لئے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کو بخسبہ خداوند تعالیٰ کے الفاظ معینہ میں ادا کیا ہے۔ اور اس کے ایک حرف میں ذرا بھر بھی تغیر نہیں کیا۔ اس میں راز یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف کے تحت میں اس قدر معانی و برکات کا ذخیرہ ہے۔ کہ اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام یا کسی اور شخص میں ہرگز یہ قدرت نہیں۔ کہ قرآن شریف کے ایک حرف کے بجائے اپنی طرف سے اسی انداز کا حرف رکھ سکے۔ جو معانی و برکات میں اور اسلوب بیان میں قرآن کے اس حرف کا مماثل بن سکے اور وحی کی دوسری قسم میں سنت کو شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے۔ کہ جبریل علیہ السلام سنت کو بھی قرآن ہی کی طرح نازل کیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس میں صرف معنی کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف کی روایت۔ روایت بالمعنی جائز بھی گئی۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام نے اس کو خداوند عالم کے معینہ الفاظ میں ادا نہیں کیا۔ انتہی !

اگر قرآن مجید کی قرأت قرأت بالمعنی جائز رکھی جاتی۔ اور اس کے ان معینہ الفاظ منزلہ کو محفوظ نہ رکھا جاتا۔ جو بنیاب اللہ نازل ہوئے ہیں۔ تو خدا نخواستہ اس کا بھی بعینہ وہی حال ہوتا۔ جو پہلی منزلہ کتابوں زبور۔ تورات و انجیل وغیرہ کا ہوا ہے۔ کہ وہ روایت و قرأت بالمعنی کے باعث انسانی تصرفات سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ اور تبدیل و تحریف کے

ہاتھوں دنیا میں اب اُن کا صف نام ہی نام باقی ہے ادیس ؟

تاریخ نزول کلام مجید

قال اللہ تعالیٰ - شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

وقال - إِنَّمَا أُنْزِلَتْ فِي لَيْلَةِ الْقَدَرِ

وقال - حَسْبُ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ إِنَّمَا أُنْزِلَتْ فِي لَيْلَةِ مَبْرُكَةٍ

پہلی آیت میں یہ تصریح ہے - کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رمضان المبارک

کے مہینے سے ہے - اور دوسری و تیسری آیت انہی معنی کی تائید کرتی ہے - اس لئے

کہ لیلۃ القدر کے معنے عام مفسرین نے وہی بیان کئے ہیں - جو عرف عام میں بولے جاتے ہیں - یعنی رمضان شریف کے عشرۃ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ؟

صرف امام فاکہانی ایک شخص ہیں - جو کہتے ہیں - کہ لیلۃ القدر کے یہ عرفی معنے مراویہر بلکہ لیلۃ القدر اُس مبارک رات کا نام ہے جس میں قرآن کے نزول کی ابتدا ہوئی -

احادیث سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے - وہ یہ ہے - کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رمضان کی چھٹیوں شب سے ہوئی ہے - ہجرت سے تیرہ سال پہلے -

لیکن روایات معتبرہ اس امر کی شاہد ہیں - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

ربیع الاول سے ہوئی ہے - امام بیہقی کہتے ہیں - ربیع الاول سے روئے صادق کا آغاز

ہو گیا تھا - اور یہی بعثت کی ابتدا تھی - یہ حالت چھ مہینہ تک رہی - رمضان سے

بیداری میں دجی آنے لگی - اور قرآن اترنا شروع ہوا ؟

مشہور قول یہ ہے - کہ کلام مجید تمام رمضان المبارک کی رات الموسوم بہ لیلۃ القدر

میں آسمان دنیا پر اتار گیا - پھر آیت آیت اور سورۃ سورۃ ہرگز متوقف طور پر باختلاف

۱۔ وہ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا

۲۔ پہلے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے ؟

۳۔ پہلے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے ؟

واقعات ضرورت و مصلحتِ زمانہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا آیات و احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول ہی بعثت کا زمانہ ہے۔ یعنی نزول وحی کی ابتداء ربیع الاول سے ہے۔ مگر یہ وحی غیر متلو از قسم سنت تھی۔ چھ مہینہ تک اسی قسم کی وحی کا نزول ہوتا رہا۔ اور رمضان المبارک سے وحی متلو یعنی قرآن اُترنا شروع ہوا۔

سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی۔ وہ یہ ہے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ نَمُکْ

کیفیت نزول وحی

امام بخاری نے ابتدائے نزول وحی کی کیفیت کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس طرح روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں :-

پہلے نیند میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے صادقہ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد آپ کو تنہائی سے موانست ہوئی۔ اور آپ غارِ حرا میں تنہا کئی کئی راتیں سلا کرتے کہ ایک دن حقیقت کا انکشاف ہوا۔ آپ صلعم نے فرمایا۔ کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا۔ پڑھ۔ میں نے کہا۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اُس نے نور سے مجھے دیا اور کہا۔ پڑھ۔ اور کہا۔ پڑھ! تین بار ایسا ہی کیا۔ اور میں برابر غد کرتا رہا۔ آخر اُس نے ”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ مَا لَمْ يَعْلَمْ نَمُکْ“ پڑھا۔ میں نے ان آیتوں کو دہرایا۔ ”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ اس کے بعد آپ خنزرد کا نپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے۔ اور کہا۔ ”ذَمِّلُوْنِي ذَمِّلُوْنِي“ مجھ کو چادر اڑھاؤ۔ مجھ کو چادر اڑھاؤ (اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد سلسلہٴ وحی باطل ہو گیا۔ اور تین سال تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اسے زمانہ فترت کہتے ہیں) تین سال کے بعد پھر وحی فرشتہ نظر آیا۔ آپ صلعم اُس وقت غارِ حرا کے پہاڑ سے اُتر رہے تھے۔ اور فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان متعلق بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول کریمؐ

پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اور خوف زدہ ہو کر خدیجہؓ کے پاس آکر کیا۔ مجھے چادر اٹھاؤ اس کے بعد سورہ مدثر نازل ہوئی۔ پس سورہ اِقْدَارُ آغاز نبوت کی پہلی آیت ہے۔ اور المدثر رسالت کی ابتدائی سورہ ہے۔ کیونکہ اس میں قوم کو انذار (آگاہ) کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جو رسالت کا پہلا فرض ہے۔ اس کے بعد ایک ایک دودو آیتیں ہو کر یا اس سے کم و زیادہ موقع و ضرورت کے مطابق قرآن نازل ہوتا رہا۔

مشہور اور صحیح قول پر نزول کلام مجید کا زمانہ بنیٰ برس ہے۔ اور تیسری برس کے متعلق بھی روایت آئی ہے۔ اس میں تین سال زمانہ فترت بھی داخل ہے۔ جس میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔ اگر یہ شمار نہ کریں۔ تو باقی بنیٰ برس زمانہ نزول وحی متحقق ہو جاتا ہے۔ دس برس مکہ میں اور دس برس مدینہ میں۔

حفاظت کلام مجید

قال اللہ تعالیٰ - اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝ ۱۰ (میکہ ہم ہی نے الذکر (قرآن) اتارا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی کریں گے)۔

وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَرَبِیٌّ لَا یَآئِیْہِہٖ الْبَاطِلُ مِنْ یَدِیْہِ وَلَا مِنْ خَلْقِہٖ ۝ ۱۱ (ترجمہ۔ قرآن ایک عربیے پایہ کی کتاب ہے۔ جو ٹھٹھ نہ اس کے آگے سے اس کے پاس پہنچ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے) ان آیات بینات میں خداوند عالم نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اور نہایت کھٹے اور صاف لفظوں میں اس وعدہ کا اعلان دیا ہے۔

کہ خداوند عالم اس عظیم شان مقدس کتاب کو ہر قسم کی آمیزش، تحریف، تغیر و تبدل، نسیان وغیرہ برہادی کے جملہ عیوب و نقائص سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مصئون رکھے گا۔ جو پہلی منزلہ کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ اس کتاب و کلام پاک میں کوئی کلمہ، لفظ، بلکہ حرف و نقطہ بھی ایسا نہیں ڈالا جائیگا۔ جو کلام الہی سے نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصہ کلام الہی بلکہ ایک حرف یا نقطہ اس میں درج ہونے سے رہ جائیگا یا درج ہونے کے بعد نکالا جاسکیگا۔ بلکہ وہ جیسا کہ نازل ہوا ہے۔ بجز نہ ہلاک و کاست

بلا تغیر و تبدل ویسا ہی ہمیشہ کے لئے موجود و محفوظ رہیگا۔ اجلہ صحابہ کرام تمام محدثین و مفسرین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ ”الذکر اور کتاب“ ”مندیجہ آیات“ بالا سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ اس کے سوائے کوئی اور کتاب یا صحیفہ اس وعدہ الہی کے ضمن میں داخل نہیں۔ اور خداوند عالم نے صرف اسی مقدس کتاب (قرآن) کو اپنے وعدہ حفظ کے مطابق ہر قسم کے تغیرات و نقائص تحریف سے محفوظ رکھا ہے اور آئندہ بھی وہ اس کی ایسے ہی حفاظت کرے گا۔

تثقیق و تثقیق قرآن کا زمانہ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ جو کرام اسلامی علوم کے عروج۔

اس کی تثقیق و تثقیق کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ ایسے وقت میں جب قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی ہر ایک پہلو پر جانچ و پڑتال کی گئی۔ اس کی آیتوں۔ سورتوں اور اس کی ترتیب و تہذیب کو کبھالِ تدبر اور نہایت غور و فکر سے دیکھا بھلا گیا۔ تو محققین زمانہ مثل قتادہ و مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ حسن بصری وغیرہم نے صاف لفظوں میں یہ اعتراف کر دیا۔ کہ موجودہ قرآن مجید کا ہر ایک لفظ وحی الہی ہے۔ اور وہ ایسے ہی بلا کم و کاست ہم تک پہنچایا گیا ہے۔ جیسے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے اس کا اعلان فرمایا۔ اس کی تمام آیتیں اور سورتیں نہایت ہی کامل و مکمل ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ وہ ہر قسم کے تصرفات مثل تحریف و آمیزش وغیرہ سے پاک صاف ہے۔ (خلاصہ تفسیر ابن جریر)

حفاظت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰٰأَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَةَ اللَّهِ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ وَ تَرْجَمُ۔ اسے نبی جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر تم اس کی تبلیغ نہ کرو گے۔ تو سچا جائیگا۔ گویا تم نے منصب رسالت کو پورا ادا نہیں کیا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں سے

محفوظ رکھیں گے

اس آیت میں خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظتِ جان کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور یہ آیت وعدہ حفاظتِ کلامِ مجید کے لئے مؤکد اور اس کی متمم ہے۔ اس لئے کہ خدا انخواستہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دشمنوں کے نامقوں معرضِ خطر میں آجاتی۔ تو پھر سرے ہی سے شیرازہٴ نزولِ کتابِ مجید بکھر جاتا۔ اور سلسلہٴ کار و بارِ نبوت و رہم برہم خراب و برباد ہو جاتا۔ کتاب ناقص رہ جاتی۔ اور اس کا نازل شدہ حصہ بھی انسانی تصرفات کے باعث مبدل و متحرف ہو کر دوسری منزلہ کتابوں کی طرح پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتا۔ اور اس طرح گویا اسلام کا فیصلہ ہی ہو جاتا۔ لیکن خداوند عالم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ان دو وعدوں (وعدہٴ حفاظتِ کتاب و حفاظتِ جان) سے نہایت ہی مکمل کر دیا۔ وعدہٴ اول کے مطابق کتابِ مبارک کی وہ حفاظت ہوئی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اسے نازل ہوئے تیرہ سو سال گزرتے ہیں۔ لیکن اس منزلہ کتاب کے زیر و زبر اور نقطہ میں بھی بال برابر فرق نہیں آیا۔ اس کے گئے ہوئے حروف انہیں مخارج سے اُسی طریق پر ادا کئے جاتے ہیں۔ جس طریق و انداز پر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضبطِ وحی کے دہن مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ اور اسی طرزِ کتابت پر لکھے جاتے ہیں۔ جس رسمِ تحریر پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اہتمام سے انہیں لکھوایا تھا۔

اور دوسرے وعدہ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک کی حفاظت ایسی کر دکھائی۔ کہ باوجود دشمنوں کی کثرتِ جماعت۔ پوری آزادی۔ حکومت و قوت کے اور باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیکسی۔ تیمی۔ ملتِ جمعیت اور کمزوری کے کسی قاتل غاصب سے آپ کا ایک بال بھی بیکانہ ہوا۔ دشمنانِ دین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں ہزار نامضبوبے باندھے۔ رشور سے کئے۔ آپ کی حامی جماعتِ قریش پر باری خد و فروخت بند کی۔ انہیں تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہنے پر مجبور کیا۔ رسول کریم پر قاتلانہ حملے کئے۔ سفرِ مدینہ میں قاتل سوار پیچھے دوڑائے گئے۔ مدینہ میں بھی کمی تر

آپ صلعم کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ زہر دیا گیا۔ مگر سب کے سب ناکام و نامراد ہی رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی رسالت کے کام کو سرانجام دیا۔ کتاب اللہ کی دل خواہ اشاعت کی۔ اسے لکھوایا۔ پڑھایا۔ یاد کروایا۔ اور اپنی رحلت کے وقت اجلہ صحابہ کی ایک کثیر تعداد ایسی جماعت کو چھوڑا۔ جس نے آپ صلعم کے بعد حق نیابت کو نہایت عمدگی سے ادا کیا۔

اس وعدہ الہی کی ایفا کا تعلق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک ہی سے تھا۔ جو بلا کم و کاست پورا ہوا۔ اور دوسرے وعدہ یعنی حفاظت کلام مجید کی ایفا کا زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے شروع ہو کر آج تک جس پر تیرہ سو سال گزرتے ہیں۔ بلا تغیر و تبدل و بلا کسی کمی و بیشی کے پورا ہوا ہے۔ اور آئندہ بھی ایسے ہی قیامت تک اس کی حفاظت کی امید کی جاتی ہے۔

قرآن شریف کس طرح ضبط ہوا

اب ہم اُن ظاہری اسباب کا ذکر کرتے ہیں۔ جو اس معجزہ قرآنی یعنی حفظ و ضبط کلام مجید کے لئے قدرت الہی نے مہیا کر دیے تھے۔ حفاظت کتاب کا سب سے بڑا اور قوی ذریعہ اس کتاب کی تحریر ہے۔ اور دوسرا ذریعہ اس کتاب کا حفظ کر لینا ہے۔ یعنی یہ کہ کتاب کو زبردیا دکر لیا جائے۔ چنانچہ ابتدائے نزول ہی سے اس مبارک کتاب کی حفاظت کے بھی یہی دونوں اسباب (تحریر و حفظ) ہی قرار پائے۔ جس سے سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات آپ کے سامنے اور آپ کی خاص نگہبانی اور زیر حفاظت و دو نظروں میں ضبط ہو گیا۔ یعنی لکھا بھی گیا۔ اور حفظ بھی ہو گیا۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹۔ رَوَى أَحْمَدُ وَأَصْحَابُ الثَّوْنِ الثَّلَاثَةِ وَصَحَّهٖ ابْنُ حَبَّانٍ وَدَحَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَانَ بْنِ عَمَّانٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِي عَلَيْهِ النَّارُ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ مِنَ السُّورِ ذَوَاتِ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ يَدْعُو بَعْضَ مَنْ

يَكْتُبُ عِنْدَكَ فَيَقُولُ مَنَعُوا هَذَا فِي الشُّرَى الَّتِي يَذْكُرُ فِيهَا كَذَابًا

ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستور مبارک تھا۔ کہ ایسے اوقات میں جبکہ آپ صلعم پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلعم ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم لکھا کرتے تھے۔ کسی ایک کو بلا کر اسے فرما دیتے۔ کہ یہ آیت فلاں سورت میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے۔ لکھو۔

بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بروایت براء لکھتے ہیں۔

قَالَ لَمَّا تَنَزَّلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْخ - قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُونِي رَيْدًا فَلْيَتَّخِذُوا بِاللَّوْحِ وَالِدَّةَ وَاقَةً وَالْكَتِفَ أَوِ الْكَتِفَ وَالِدَّةَ ثُمَّ قَالَ الْكُتُبُ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ الْخ

ترجمہ) یعنی جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ الْخ نیا۔ نازل ہوئی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ زید کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اور (کہو) کہ دوات اور لوح اور کتف یا کتف و دوات ساتھ لائے۔ (جب وہ آگیا) پھر فرمایا۔ کہ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ الْخ لکھو۔ بخاری

سُورَةُ طه

حضرت رضی اللہ عنہ کا ایمان لانے سے پہلے سورہ طہ کا لکھا ہوا
دیکھنا اور پڑھنا

حضرت ابن ہشام لکھتے ہیں کہ عمر بن خطاب جاہلیت میں بڑا غضبناک اور پُرجوش طبیعت کا آزاد آدمی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ہر وقت تلواریں تھامتا تھا۔ چاہتا تھا۔ کہ موقعہ پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اٹھائے۔ اسی ارادہ پر ایک دن تلوار لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔ کہیں سے اُسے معلوم ہو گیا

کہ ان کی ہمشیر فاطمہ اور اس کا خاوند سعید بن زید مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُنتے ہی عمرؓ کی آنکھوں میں خن اُتر آیا۔ اور وہیں سے سیدھا اپنی بہن کی طرف واپس ہو گیا۔ تاکہ پہلے ان کا کام تمام کرے۔ وہاں پہنچا۔ تو اس وقت حضرت نبیؐ فاطمہؑ اور اس کے خاوند سعید بن زید کو سورہ طہ پڑھا رہے تھے۔ عمرؓ کے پہنچنے ہی جنابؐ ایک طرف مکان کے گوشہ میں چُھپ گئے۔ مگر عمرؓ اس کو پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ اور ان کا پٹا مانا بھی سن چکے تھے۔ اسی لئے وہ پوشیدہ نہ ہو سکے۔ اور حضرت فاطمہؑ نے اس جملہ کو (جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اور جسے وہ پڑھ رہی تھیں) اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ عمرؓ نے یہ سوال کیا۔ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے؟ پھر غصہ میں آکر انہوں نے اپنے بہنوئی سعید کا بازو پکڑ لیا۔ قریب تھا۔ کہ ان کا کام تمام ہو جائے۔ مگر فاطمہؑ عمرؓ سے ہٹ گئیں۔ اس کٹمکش میں فاطمہؑ کچھ زخمی بھی ہو گئیں۔ آخر کار فاطمہؑ اور سعید نے کھلم کھلا کر دیا۔ کہ بیشک ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب تمہاری مرضی جو چاہو۔ ہم سے سلوک کرو۔ اس اسلامی صداقت نے عمرؓ کے دل پر ایسا گہرا اثر کیا۔ کہ یکایک ان کے تمامی جاہلانہ خیالات بدل گئے۔ کہا۔ اچھا بچے وہ کتاب دکھاؤ۔ جسے تم پڑھ رہی تھیں۔ حضرت فاطمہؑ نے اس وعدہ پر کتاب کا دینا منظور کیا۔ کہ وہ جوں کا توں اُسے واپس کر دیں گے۔ اس عہد کے بعد فاطمہؑ نے کہا۔ اس مبارک کتاب کو بخش آدمی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس کے چھپونے کے لئے مُشرک شخص کو طہارت کی ضرورت ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فاطمہؑ کی ہدایت کے مطابق غسل کر لیا۔ پھر وہ اس کتاب کو پڑھنے لگے۔ ایک ایک لفظ کو پڑھتے اور فرماتے یہ عجیب کتاب ہے۔ یہ بڑی عزت والی کتاب ہے۔ انقصہ حضرت عمرؓ وہیں سے گردیدہ اسلام ہو کر رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور شرف باسلام ہو کر تقویت اسلام کا باعث ہوئے۔ یہ واقعہ کہ مکرّمہ کا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ تاریخ میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں میں پالیٹیوٹس شخص ہیں۔ اس وقت ہر طرح پر کُفار کا غلبہ تھا

اور وہ مسلمانوں کی اندادہی پر ہر وقت تڑپتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابتدائے نزول قرآن ہی سے علاوہ اس تحریر کے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص اہتمام سے لکھوا کر اپنی حفاظت میں رکھ لیتے تھے (عام صحابہ کے پاس بھی آئیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی موجود رہتی تھیں۔ جن کو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا کر یا تو خود لکھ لیتے یا دوسروں سے لکھوا لیتے تھے۔ اور یہ کہ بعض حضرات معلیٰ کا کام بھی کرتے تھے۔ جس سے وہ حضرات بھی جو دبار نبوی میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بخوبی تمام قرآن شریف پڑھ سکتے تھے۔

ایک اور بخاری کی حدیث ہے۔ ”سَمِعْنَا نَسَافِرًا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ إِلَى اَرْضِ الْعَدُوِّ“ کہ سرزمین دشمن میں قرآن لے کر جانے کی ممانعت کی گئی۔ تاکہ دشمن قابو پا کر کتاب اللہ کی بے حرمتی یا اُسے ضائع نہ کر سکیں۔ اس کے سوائے اور بھی روایات ہیں۔ جن سے تحریر دوحی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر خوفِ طوالت ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ انہیں واقعات پر غور کرنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ ابتدائے زمانہ نزول قرآن ہی سے قرآن شریف کے لکھے جانے کا عام رواج تھا۔ اور عام صحابہ کے پاس اس کی لکھی ہوئی آئیتیں اور سورتیں موجود رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ سرزمین دشمن میں قرآن شریف کے لے جانے کی ممانعت کی ضرورت درپیش آئی۔ ذیل میں ہم ان ثابتان دوحی کے نام صحابہ کی فہرست درج کر رہے ہیں۔ جو دوحی کی کتابت کا کام کرتے تھے۔

مکہ میں۔ ابو بکر صدیقؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ اور مدینہ میں اُن کے علاوہ نبیر بن العوام۔ ابی بن کعب۔ ابی بن فاطمہ۔ حنظلہ بن ربیع۔ عبداللہ بن القم شرجیل بن حسنہ۔ عبداللہ بن رواحہ۔ معاویہ بن ابوسفیان۔ خالد بن سعید۔ باقی بن سعید اور انحصار زید بن ثابتؓ تو خدمتِ تحریر قرآن پر معین ہی تھے۔ آپ کی عدم موجودگی میں دوسرے صحابہ کتابت دوحی میں حصہ لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اکثر حضرات بطور خود بھی قرآن لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد لکھتے ہیں۔ معاویہ بن جبل۔ ابو ورداد۔ ابو ایوب انصاری۔ عبادہ ابن الصامت وغیرہم کے

پاس اکثر قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ ایسے ہی عبداللہ بن عمر - عبداللہ بن مسعود
ابن ابی بن کعب نے بھی مکمل قرآن مجید لکھ لیا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں رسول کریمؐ نے
احتیاطاً یہ حکم دے رکھا تھا۔ کہ جو لوگ قرآن لکھا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے ساتھ
سیری حدیثیں نہ لکھا کریں۔

صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک دفعہ رسول کریمؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ **لَا تَكْتُبُوا عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ**۔ کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔ اس کا حاصل
یہ ہے۔ کہ چونکہ عام طور پر قرآن کی آیتیں اور سورتیں لکھی جاتی تھیں۔ لہذا
بطریق حفظ مانقدم یہ ہدایت کی گئی۔ کہ قرآن مجید کے ساتھ رسول کریمؐ کی اپنی باتیں
بھی کہیں صحابہؓ سے غلط ملط نہ ہو جائیں۔ اگر تحریر وحی کا عام رواج نہ ہوتا۔ تو اس ہدایت
کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور اختلاط کا خوف ہی کیا ہو سکتا تھا۔

اب ہم ایک متعصب عیسائی کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس نے مخالفت اسلام
میں ایک کتاب (الموسوم بہ لائف آف محمد) لکھی ہے۔ چنانچہ وہ اسی کتاب کے صفحہ ۵۲
میں لکھتا ہے۔ ”لیکن اس بات کے ماننے کے لئے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں۔ کہ
کہ رسول کریمؐ کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہؓ کے
پاس موجود تھے۔ اور ان نسخوں میں سارا قرآن (کریم) یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا
اس میں شک نہیں۔ کہ (حضرت) محمد (صاحب صلے اللہ علیہ وسلم) کے دعویٰ نبوت سے
بہت پہلے مکہ میں فتنہ تحریر مروج تھا۔ اور مدینہ میں جا کر تو خود پیغمبر (علیہ السلام) نے
اپنے مراسلات لکھوانے کے لئے کئی صحابی مقرر کئے ہوئے تھے۔ جو لوگ بدر میں گرفتار ہو کر
آئے تھے۔ انہیں اس شرط پر وعدہ دیا گیا تھا۔ کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا
سکھائیں۔ اور اگرچہ اہل مکہ اہل مدینہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے۔ لیکن وہاں بہت
سے ایسے لوگ موجود تھے۔ جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔ انہی
پادری راڈویل جس نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ آیت **لَا يَمَسُّهُ**
الْأَعْيُنُ کے حاشیہ میں لکھتا ہے

۱۔ اس جلد سے کم از کم اتنا تو پتہ چلتا ہے۔ کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اس وقت عام طور پر زیر استعمال تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیر فرماتی ہیں۔ کہ جب عمرؓ مسلمان ہونے لگے۔ تو انہوں نے مجھے کہا۔ سورہ طہ کا نسخہ میرے ہاتھ میں دو۔ آیات نمبر ۷۷۔ ۷۸ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ وہ بحکم خلیفہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (الواثق بن عبد اللہ قرآن کریم کی تمام جلدوں پر لکھی جانی شروع ہوئیں۔ ترجمہ راؤ دؤل ص ۷۵۔

تخیر کتاب اللہ پر قرآن شریف کی شہادت

سورہ واقعہ۔ اِنَّهُ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتَابٍ مُّکْتُوْنٍ لَا یَسْتَوِیْ اِلَّا الْمَطْهُرُوْنَ ط (ترجمہ) یہ قرآن کریم بڑی قدر و عزت کا قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اسے نہیں چھوتے۔ مگر جو پاک لوگ ہیں۔

یہ سورہ لکھی ہے۔ اور ابتدا نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ لہذا اس امر کی کافی شہادت ہے۔ کہ نزول قرآن کے شروع ہی سے اس کی آیتیں اور سورتیں لکھی جاتی تھیں۔ کیونکہ مس کے لئے کسی ظاہری جسم کا ہونا ضروری ہے۔

سورۃ البینہ۔ رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ یَتْلُوْا حُكْمًا مُّطَهَّرًا فِیْہَا کُتُبٌ قَیْمَةٌ (ترجمہ) اللہ کا رسول اور اوراق (قرآن کریم) پڑھ کر سنانا ہے جس میں محفوظ کتابیں (سورتیں) ہیں۔ صحف چھپنے کی جمع ہے۔ (لکھے ہوئے کاغذ) کتب جمع ہے کتاب کی (لکھی ہوئی چیز۔ لکھا ہوا) سورہ عبس۔ کَلَّا اِنَّمَا تَذَکِّرُۃٌ فَنَسَّۤا ذَکْرَہٗ فِیْ صَحْفٍ مُّکْرَمٍ مِّنْ نُّوْعِہٖ فِیْ اٰیٰتِیْ سَفَرۃٌ کِرَامٌ بَرْزَاقٌ (ترجمہ) قرآن تو (سراسر) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے۔ اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور (وہ قرآن) اوراق میں (لکھا ہوا) ہے۔ جن کی تعلیم کی جاتی ہے۔ (راوردہ) اپنی جگہ رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) اور وہ ایسے لکھنے والوں یا مکتبین یا حالمین کے ہاتھوں میں ہیں۔ جو بزرگ نیکوکار ہیں۔

آیات مذکورہ اس بات کو بوضاحت ظاہر کرتی ہیں۔ کہ قرآن کریم کی آیتیں اور سورتیں عام طور پر نزول کلام مجید کے ابتدائے زمانہ ہی سے لکھی جاتی تھیں۔ اور اس کام میں خاص

اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ کہ وہ کس چیز پر لکھی جاتی تھیں ؟

قرآن شریف کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ

یعنی قرآن کریم کا یاد کرنا

قرآن کریم کی نسبت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ اعتقاد تھا۔ اور جملہ اہل اسلام کا بھی یہی عقیدہ و ایمان ہے۔ کہ اس کا ایک ایک حرف خداوند عالم کی بیشمار رحمتوں کا خزانہ ہے۔ اور اس کے ایک ایک نقطے کے دامن میں لا انتہا برکات بھری ہوئی ہیں۔ یہ وہ متبرک کلمات ہیں۔ جن کو خداوند عالم نے اپنی لسانِ قدرت سے ادا فرمایا ہے یہ ایک مخفہ کرامت ہے۔ جس کو رب العزت نے اپنے حبیب پاک رسولِ عربی کی طرف ہدیہ بھیجا ہے۔ اس کی آیات کی تلاوت روحِ روانِ اسلام اور سماعتِ تقویت نورِ ایمان ہے لہذا نزولِ وحی کی طرف ہر وقت صحابہ کرامؓ کی مشتاق آنکھیں لگی رہتی تھیں۔ ہر ایک شخص کے دل میں یہی اُمنگ رہتی تھی۔ کہ تازہ وحی کو سب سے پہلے میں ہی حاصل کروں۔ اسی اشتیاق میں وہ عموماً دربارِ نبوی میں بکثرت موجود رہتے تھے۔ پس جہاں کوئی آیت نازل ہوئی۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا اعلان ہوا۔ وہ حضرات اُسے جوں کا توں اسی وقت یاد کر لیتے تھے۔ ان کے اس شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ دنیوی مشاغل کے باعث جو حضرات عدیم الفصت تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے ملکر باری مقرر کی ہوئی تھی۔ پس ایک شخص حصولِ معاش میں مشغول ہوتا تو دوسرا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا۔ اسی طریق پر باری باری سے اپنا کام بھی کرتے۔ اور اپنی شوقِ تعلیم دین کو بھی پورا کرتے۔ یعنی جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی۔ تو جو حاضر ہوتا۔ اُسے یاد کر لیتا۔ اور عند الملاقات اپنے ساتھی کو اس سے مطلع کر دیتا، حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اکثر نظیریں ملتی ہیں۔ چنانچہ بخاری نے لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کا ہمسایہ ایک انصاری تھا۔ جس کے

ساتھ اُنہوں نے یہ انتظام کر رکھا تھا۔ کہ باری باری سے ایک شخص حاضر حضورِ اقدس ﷺ کرتا۔ اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا۔ اُس سے دوسرے کو عند الملاقات مطلع کیا کرتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ تو اس دن کی دمی وغیرہ تمام خبریں اپنے دوسرے ساتھی انصاری کو لا سنانا۔ اور جس دن وہ حاضر رہتا۔ اُس دن کی تمام خبروں سے وہ مجھے مطلع کرتا۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت ہمیشہ صفہ مسجد نبوی میں بطریق اعتکاف ہر وقت موجود رہتی تھی۔ جنہوں نے دنیاوی کاروبار ترک کئے ہوئے تھے۔ اُن کا شغل محض تلاوتِ کلام مجید۔ اس کا درس و تدریس اوبھو کر و شغل ہی تھا۔ وہ ہر وقت اس بات پر آمادہ رہتے تھے۔ کہ کوئی آیت نازل ہو۔ اور وہ اس کو سب سے پہلے یاد کر لیں۔

قرآن مجید کے یاد کرنے کیلئے قدرتِ الہی کا انتظام

اس مقدس کتاب کی سہولت حفظ کے لئے قسمتِ الہی نے پانچ ذریعے پیدا کر دیے تھے۔
 (۱) نمازیں میں قرآن شریف کے پڑھنے کی فرضیت۔
 (۲) صحابہ کرام رضوان اللہ جمیعین) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول و فعل کے اتباع کا شوق۔

(۳) تعلیم قرآن مجید میں قراء کی قدردانی۔
 (۴) امت امت نماز کے لئے عام قاریوں پر اِقراء کی ترجیح۔ اور اس کا تقدیم اور عزت خاص۔
 (۵) قرآن شریف کا بتدریج (آہستہ۔ آہستہ۔ آیت آیت ہو کر) ۲۱۔ ۲۲ سال کے عرصہ و رانیں نازل ہونا۔

مسلمانوں پر چونکہ نماز کا ادا کرنا فرض ہے۔ اور فرض بھی ایسا کہ کسی حالت میں ترک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر ایک مسلمان پر صرف فرضی نمازوں ہی کے ادا کرنے کے لئے قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک دن رات میں کم سے کم پانچ وقت نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور ہر دفعہ کی نماز میں کئی کئی رکعتیں ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ

کے سوائے قرآن شریف کا کچھ اور حصہ بھی پڑھا جاتا ہے ؛ لہذا ہر ایک مومن پر مومن رہنے کے لئے بعض حصہ کلام مجید کا یاد رکھنا ضروریات دین سے ہے ۔ نماز چونکہ باعث تسکین فطرت مومن اور تقرب الہی کا اعلیٰ ذریعہ ہے ۔ اس لئے صحابہ کرامؓ نہایت خشوع و خضوع اور سچے دل کے لگاؤ سے اس فرض کو ادا کرتے تھے ۔ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ۔ کہ ان میں کے اکثر حضرات نمازوں میں بہت دیر تک قیام فرماتے تھے ۔ یعنی نمازوں میں لمبی لمبی تہنید پڑھا کرتے تھے ۔ گویا نماز پڑھنے کا حکم بعینہ قرآن شریف کے بعض یا کل کے یاد رکھنے کا حکم ہے ؛

اسی طرح چونکہ صحابہ کرامؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے جاننا اور آپؐ کے ہر ایک قول و فعل پر عمل کرنے کو تعویذ دین حصول سعادت ۔ ترقی مدارج و درجین کا باعث یقین کرتے تھے ۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو نمازوں میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نذر بنانا پسندتے تھے ۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احادیث میں ثابت ہے ۔ کہ آپ صلعمؐ تہجد کی نماز میں اکثر وقت قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ تلاوت فرماتے تھے ۔ یہاں تک کہ طول قیام کے باعث کبھی کبھی آپ صلعمؐ کے پاؤں پر آس آجاتی تھی ۔ جس پر بندہ ربوہ وحی ایک سنین وقت تک عبادت کینے کی آپ صلعمؐ کو ہدایت ہوئی ۔ قال اللہ تعالیٰ :-
 قُلِ الْمَلِئُکَ اَکْثَرًا قَلِیْلًا اَوْ اَنْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ کَ نَصْفِ رَاٰتِ یَا اَسْمَکَ
 کے قریب قیام کیا کرو ؟

نماز تہجد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بین سورتیں تلاوت کر لیا کرتے تھے جن میں سے اٹھارہ کا نام مغفل ہے ۔ جو سورہ قی سے شروع ہوتی ہیں ۔ اور دو سورتیں حاتم سے شروع ہوتی ہیں ۔ اس کے علاوہ احادیث میں ہے ۔ کہ بعض دفعہ آپ صلعمؐ نے ایک ایک ہی رکعت میں آٹھ ۔ نو پاروں کے قریب پڑھا ہے ۔ اور اس نماز تہجد میں صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت آپ صلعمؐ کے ساتھ شریک رہا کرتی تھی ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسی سورتوں کی ایک خاص تالیف بھی کی ہے ۔ جو بعینہ اب تک محفوظ چلی آتی ہے ؛

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ صرف تہجد کی نماز تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ فرضیہ نمازوں میں بھی آپ صلعم نے قرآن شریف کے بڑے بڑے حصص تلاوت فرمائے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت کی نماز میں تمام سورہ نسا اور آل عمران پڑھی ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں سورہ نسا اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کی تلاوت فرمائی ہے۔ یہ دونوں سورتیں بلکہ قرآن مجید کا آٹھواں حصہ ہوتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا طرز چونکہ یہی تھا۔ کہ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل و عمل کو اپنے سلسلہ کا نمونہ سمجھتے تھے۔ اور اتباع نبوی اور اس کی کمال پیروی میں قدم بقدم چلنے کو ذریعہ تکمیل ایمان اور باعث ہدایت و تقویت اسلام جانتے تھے۔ لہذا وہ بھی نمازوں میں دیر تک قیام کیا کرتے تھے۔ تہجد کی نمازوں میں عموماً مبی لمبی سورتیں تلاوت کرنے میں اپنی سادات سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کی نسبت روایت میں ہے۔ کہ وہ ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھ کر لے تھے۔ اور بہت ساری حدیثیں اس امر کی شہادت دیتی ہیں۔ کہ اکثر وقت صبح کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی گئی ہے۔ جو اڑھائی پارے ہے۔ اور یہ عادت عام صحابہ میں جاری تھی چنانچہ بعض وقت طول قیام کی خشکتیں بھی ہوئیں۔ روایت میں ہے۔ کہ ایک دفعہ امامت کے موقع پر ایک صحابی نے عشا کی نماز کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھی۔ مقتدیوں میں ایک فردور بھی تھا جو دن بھر کی ضروری کے باعث تھکا ماندہ تھا۔ اور جلد آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس طول قیام کے باعث اسے تکلیف ہوئی۔ جس سے اس نے دربار نبوی علیہ التحیتہ والتسلیم میں امام کے اس طول قیام پر شکایت کی۔

امامت جماعت

قرآن کریم کے یاد کرنے کا ایک ذریعہ عمدہ امامت جماعت بھی ہے

امام جماعت کے لئے قرآن شریف کا ایک آدھ حصہ یاد رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ

مبارک عہدہ بہت سی خوبیوں کا جامع ہے۔ مگر ہم یہاں پر صرف انہیں کا بیان کریں گے۔ جن کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ ہے :

امام جماعت کیلئے علم قرأت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ وہ قرآن فہم اور قرآن دانی کا مادہ رکھتا ہو۔ اور حروف کو بر محل۔ مخارج سے ادا کرنے پر قادر ہو۔ وہ صحابہ کرام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے دور رہنے کے سبب یا مشاغل دنیوی کے باعث لسانِ ترجمانِ الرحمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تانہ وحی کو ہر وقت بلا واسطہ اخذ کرنے میں قاصر تھے۔ ان کی تعلیم کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔ کہ دوسرے صحابہ سے سُن کر آئیں یا سؤدیس یا دکر لیں۔ چنانچہ اس قسم کی نقلِ آیات میں سہو۔ نسیان کا واقعہ ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اور اختلافِ لب و لہجہ کے باعث اصلیت تلفِ الفاظ قرآنی بلکہ اصلیت الفاظ میں بھی فرق آجانا ممکن تھا۔ اس لئے قدرت الہی نے اس نقص کے دفعہ میں یہ تجویز کی۔ کہ ہر محلہ کی مسجد میں ایک ایسا شخص رکھے۔ جو قرآن دان ماہر اصلیت الفاظ اور ہر ایک حرف کو اس کے محل و مخرج سے ادا کر سکے والا عالم سائل فقہ ہو۔ جو مغرب۔ عشا اور صبح کی نمازوں میں جماعت کے سامنے علاوہ سورۃ فاتحہ کے قرآن کریم کے بعض بعض حصوں کو باواز بلند پڑھا کرے۔ اور قرأت بھی جھلک کی طرح نہ ہو۔ بلکہ ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ تاکہ ہر ایک حرف بر محل اور اپنے مخرج سے اس طرح ادا ہو۔ کہ سُننے والا ان میں تمیز کر سکے۔ اور مفیدی خاموشی ہمہ تن گوش ہو کر اسے سنا کریں۔ اس تجویز سے متقویوں کی سہو و نسیان وحی اور ان کی غلطیوں کا صرف ازالہ ہی نہیں ہوا کرتا تھا۔ بلکہ ان کے ایمانوں میں ہر روز ایک تازہ روحانی رُوح پھونکی جاتی تھی جو ہر صبح کا سہانا دقت اور ادھر لہجہ عرب میں ایک مٹریلی آواز کے ساتھ مقدس و پُر اثر کلامِ خدا کی قرأت اور سُننے والے بھی کون؟ زبانِ عرب کے ماہر فصحاء، بلغاء، شاعر و شارح و خطیب۔ پھر کیا تھا۔ دل بھل اچھل کر سینوں میں تنگ کر دیتے تھے۔ غن جگر رقیق ہو ہو کر آنکھوں کی راہ سے اُبل پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی اس حالتِ محویت اور ان کے اس اسلامی جوش کی تعریف میں فرمایا ہے۔ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا يُكَلِّمُ عَلَيْهِمْ

اللہ جب انہیں اللہ کا ذکر سنایا جاتا ہے۔ تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں :

آيَاتُهُ رَادُّنَهُمْ اِيْمَانًا (انفال)

وقال ﷺ - اِذَا سَمِعْتُمْ مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرَى اَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الْبَيْحِ

مِمَّا عَرَفُوْا مِنْ اُنْحَقِّ (مائدہ)

یہی باعث تھا۔ کہ ایک ایک رکعت میں سورہ بقرہ جیسی لمبی لمبی سورتیں ترتیل کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔ مگر مقتدیوں کے مشتاق دل ابھی سیر نہ ہوتے تھے۔ اور کیوں سیر نہ ہوتے۔ وہ ہر تن نوراً علی نور تھے۔ آیات قرآنی کی تلاوت ان کی روح مدعا تھی۔ اور ان کے ایمانوں کی صفائی میں مصلکہ کا کام دیتی تھی۔ اور ہر تکبیر تحمید کی آواز بلند ہوئی۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ اُن کے کانوں میں پہنچا۔ اور اوپر حجاب فیما بین کا فور ہو گئے۔

الغرض مسجد کا پیش امام اہل محلہ کے لئے قرآن شریف کا معلم ہوتا تھا۔ جس سے ان کے بچے عورتیں وغیرہ سب کے سب آسانی کے ساتھ قرآن مجید سیکھ سکتے تھے۔

امامت جماعت کے فوائد امامت کہ دراصل منصب نیابت خلیفہ اللہ ہے۔ اس لئے جو شخص امام کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔ عام لوگوں کے دلوں پر اس کی عظمت و وقعت کا سکھ فوراً بیٹھ جاتا تھا۔ اور وہ ایک روحانی حاکم تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ دربار نبوی علیہ التعمید والتسلیم میں اس کی خاص عزت کی جاتی تھی۔ اس لئے اس مبارک عہدہ کے حامل کرنے میں عموماً صحابہ کرامؓ کی توجہ مبذول رہتی تھی۔ جس سے علم قرأت کے حاصل کرنے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام صحابہؓ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ جو جماعت کو نماز نہ پڑھا سکے۔ لہذا امام جماعت کے لئے بجائے قاری ہونے کے اُقر کی قید بڑھانے کی ضرورت درپیش آئی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہوا۔ کہ ”يَوْمَئِذٍ اَقْرَأُكُمْ“ کہ امامت کے لئے وہ شخص منتخب ہو۔ جو دوسرے عام موجودہ قاریوں میں زیادہ تر قاری ہو۔ یہ تاکید کیا تھی۔ گویا اشتیاق حفظ و ترتیل قرآن کے لئے ایک کوڑا تھی۔ جس سے صحابہ کرامؓ اور بھی چمک اٹھے۔ جس شخص کی قرآن خوانی لے جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں۔ جو رسول پر نازل ہوا ہے۔ تو اس کی حقیقت کو دیکھ کر کثرت ذوق سے اُن کی آنکھیں نمون اُبلنے لگ جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے۔ اس کا مکان مجمع حُفَّاط و قرأت خوانان بنا رہتا تھا۔ یہ وہ مبارک پُر انرشاد تھا۔ جس نے آناً فاناً صحابہؓ کے دلوں میں قرآن شریف کے سننے اور اس کے یاد کرنے کا اور قرآن دانی میں کمال پیدا کرنے کا غیر معمولی جوش پیدا کر دیا تھا۔ گھر میں ہونے یا جنگل میں کچھ نہ کچھ غنغنائے کی آواز ان کے سنہ سے نکلتی سنائی دیتی تھی۔ اور یہ خاصہ صرف مردوں ہی کا نہ تھا۔ بلکہ ستورات میں بھی قرأت قرآن کا جوش ویسے ہی لہریں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ روایات معتبرہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہن کی قرآن دانی کے متعلق اکثر شہادتیں موجود ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے قرآن شریف سنا بھی کرتے تھے۔ حفظ قرآن اور اس کی ترتیل کے لئے اس تحریک سے جو کچھ اثر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ ہر شخص میں ہر وقت یہ اُنک رہتی تھی۔ کہ میری قرأت اس قابل بن جائے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود سماعت فرما کر اسے پسند فرمائیں۔ اور اس کوشش کو وہ اپنے ایمانوں کی تکمیل سمجھتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ - قَالَ - قَالَ لِي نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأُ عَلَىَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْرَأْ عَلَيَّ وَ عَلَيَّكَ أَنْزَلَ قَالَ لَعَمْرُكَ أَتُتَّ سُوْرَةُ النَّسَاءِ حَتَّى آتَيْتُ عَلَى هَذِهِ الْآيَةِ إِذَا جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا قَالَ حَسْبُكَ الْكَلَامُ - فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذَرُّ قَانَ ۝

ترجمہ۔ عبد اللہ سے روایت ہے۔ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ کچھ قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور! کیا میں آپ کو سناؤں؟ اور آپ پر تو نازل ہوا ہے۔ اس پر آپ صلعم نے فرمایا۔ کہ ہاں! اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ کہ دوسروں کو پڑھتا ہوا سنوں (یہ شکر میں نے سورۃٴ نساؓ پر پہنی شروع کی۔ یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا الْخ - تو ارشاد ہوا۔ اس وقت بس کر۔ میں نے دیکھا۔ تو آپ صلعم کی آنکھوں سے آنسو چل رہے تھے! ایسے ہی بابِ نسیاں میں بخاری لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رات کے وقت ایک شخص نماز

میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کسی صحابی کے مکان میں سے قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز آپ صلعم سہاوت فرماتے۔ تو اُسے سنا کرتے !

تعلیم قرآن اور اُس کا حفظ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خوبذات مبارک کلام الہی کی تلاوت اس کے حفظ اور اس کی اشاعت کے جاندہ تھے۔ اسی طرح اس کی تعلیم کے عام کرنے اور اس کے رواج دینے میں بھی از حد شائق اور حریص تھے۔ آپ صلعم کا یہ دستور مبارک تھا۔ کہ قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور اُس کے یاد کرنے کے متعلق اکثر تاکید فرماتے۔ اور صحابہؓ میں اس کی رغبت و شوق کے بڑھانے کی عموماً کوشش کیا کرتے تھے۔ چند روایات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن کریم کی عام تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اور اس تعلیم و تعلم کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ مبذول رہتی تھی !

صحیح مسلم میں ہے۔ عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ حَرَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَهُمْ فِي الصَّفَةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُعَذِّبَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى الْبُطْحَانِ أَوْ الْعَقِيقِ فَيَأْتِي بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَادَيْنِ فِي عُيُورٍ ثُمَّ وَلَا يَقْطَعُ رَحِمَ - قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنَّا نَحِبُّ ذَلِكَ قَالَ أَفَلَا يُعَذِّبُ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمُ وَيُقَرِّءُ اثْنَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلَاثَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَارْبَعٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ (طبرسم)

(ترجمہ) عقیق بن عامر سے روایت ہے۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اور ہم اس وقت صفہ مسجد میں تھے۔ ارشاد ہوا۔ کہ تم میں سے کون شخص میرا چاہتا ہے۔ کہ ہر روز بطحان یا عقیق پر جائے۔ اور بڑی کوٹان والی دو اونٹنیاں بغیر کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر گنہ کئے اور قطع رحم کئے کے لئے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہم سب اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں۔ کہ صبح کے وقت مسجد میں ہو کہ کتاب اللہ کی دو آیتیں پڑھائے یا پڑھے جو اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (را سیطرح) جس قدر آیتیں پڑھے گا۔ وہ اتنی ہی اونٹنیاں سے بہتر ہوں گی۔

بخاری میں ہے۔ عَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. قَالَ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب سے بہتر وہی شخص ہے جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے

بخاری و مسلم میں ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ الْمَاهِرَةِ بِالْقُرْآنِ مَعَ سَفَرَةٍ الْكِرَامِ الْبُرْسَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ يُسَمِّعُ فِيهِ وَهُوَ شَاقٍ عَلَيْهِ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن کے ماہر اُن فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جو بڑی عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو شخص قرآن کریم کو الگ الگ کر پڑھتا ہے۔ اور نہایت مشکل سے اس کے حروف کو ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے دو چند اجر ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو ہمارے وعوے کے ثبوت میں یہی ایک ہی حدیث کافی ہے کیونکہ کلام اللہ شریف کی اہمیت تعلیم کا اس سے پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس شخص کو بھی جس کی زبان پر قرآن شریف کے الفاظ مشکل سے چڑھتے ہیں۔ (باوجود غدير مقبول اور تکلیف سموع کے) قرآن شریف کے پڑھنے ہی کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آتَاهُ اللَّيْلُ وَآتَاهُ النَّهَارُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْمَالَ فَهُوَ يَتَّقِيهِ آتَاهُ اللَّيْلُ وَآتَاهُ النَّهَارُ

(ترجمہ) ابن عمر سے روایت ہے۔ کہا۔ کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ رشک دو آدمیوں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ ایک تو اس شخص کے ساتھ کہ جسے اللہ نے قرآن پڑھایا۔ اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے۔ اور اس پر عمل کرتا ہے۔ دوسرا اس شخص کے ساتھ کہ خدا نے اُسے مال دیا۔ اور وہ دن رات اُسے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَأَنَّهُ تُرْجِيهِ لِعَمَمَا طَيْبٌ وَرِيحُهَا طَيْبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَأَنَّهُ قِطْعَةُ طَعْمِهَا طَيْبٌ وَلَا رِيحُهَا لَهَا

ابو موسیٰ اشعری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مومن قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثال نارنگی کی طرح ہے۔ کہ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے۔ اور خوشبو بھی عمدہ ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا۔ اس کی حالت کھجور کے مشابہ ہے۔ جس کا ذائقہ تو اچھا ہے۔ مگر خوشبو نہیں ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں سے صاف اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی تعلیم کے عام کرنے میں از حد کوشش فرمایا کرتے تھے۔ اس جگہ ہم نے نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ صحاح میں اس مضمون کی حدیثیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں استذکار و تعارف قرآن پر ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اس قسم کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن مجید پر ملامت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ دوسرا باب بعنوان تَعْلِيمُ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ قائم کیا ہے جس میں اولاد کو قرآن شریف کی تعلیم دینے کے احکام ہیں۔ تیسرا خَيْرُكُمْ مِنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ کے عنوان پر لکھا ہے۔ چوتھا بعنوان الْقِرَاءَةُ عَنْ ظَهْرِ الْعَلْبِ ہے۔ جس میں قرآن شریف کے زبانی یاد کرنے کے احکام اور اس کے ثواب و مدارج کا بیان ہے۔

انغرض کتب صحاح میں قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور اس کے یاد کرنے کے متعلق اس قدر حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔ کہ اس مضمون پر مستقل ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

پادری ولیم کا قتل | پادری ولیم مہور اپنی کتاب لائف آف محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے دیباچہ صفحہ ۱۶ میں صحابہ کرامؓ کے اشتیاقِ حفظِ کلامِ مجید (قرآن شریف) کے

متعلق لکھتا ہے۔

”عرب کے لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جاندار وہ مشتاق تھے۔ لیکن ان کے پاس ایسے اسباب موجود نہ تھے۔ کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبطِ تحریر میں لا سکتے۔ اس لئے بہت مدت تک ان میں یہی رواج رہا۔ کہ اپنے شعراء کی کلام اور اپنی قوم اپنے آباؤ اجداد کے تاریخی حالات کو دل کی زندہ الواح پر ہی بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرز سے ان میں قوتِ حافظہ کمال درجہ ترقی پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اور یہی قوت اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص اور شوق سے قرآنِ کریم کے حفظ کرنے میں کام آئی۔ انتہی“

ہم اس بات کو ظاہر کر چکے ہیں۔ اور کافی طور پر اس کا ثبوت بھی دے آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ قرآنِ کریم کے حفظ کرنے اور اس کی تلاوت میں لگے رہنے کو اپنا منصبی فرض ایمان سمجھتے تھے۔ اور ہمہ تن خلوص و عقیدت کے ساتھ اس کام کے سرانجام دینے میں کوشاں رہتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ ان کا یہ ساراجوش و خروش بڑی عقیدت ہی عقیدت پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ فیوضِ محبتِ نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم و النکاسِ النوارِ صدرِ مبارک مصطفوی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے حضراتِ صحابہؓ کے دلوں پر اپنا خاص رنگ جما دیا ہوا تھا۔ جس سے خود بخود ان کی طبیعتیں عالمِ قدس کی طرف مائل اور روحانیت سے اُنس پذیر ہو گئی تھیں۔ آیاتِ کلامِ مجید کے پڑھنے سننے سے ان کی رُوحوں میں تازہ جان آجانی تھی۔ اور وہ ان کی ایک روحانی غذا تھی۔ ذکر و اذکار سے ان کے دل بے خود ہو کر بھر پور اٹھتے تھے۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں اونٹوں کے چرواہوں اور بکریوں کے گڈریوں کے لئے آیاتِ قرآنی کی تلاوت ہی دل کا بہلاؤ بنی رہتی تھی۔ نڈوؤں اور عام جلسوں میں بھی قومی مفاجر کے گیتوں کے بجائے قرآنی سورتیں ہی عرب کی

شرفی آوازوں میں سنائی دیتی تھیں۔ ان کے اشتیاق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ بعض صحابی ہر رات میں سارے کا سارا کلام مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔
ترمذی میں ہے۔ وَدُرِّی عَنْ عُمَانَ بْنِ عَفَّانٍ إِنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ مِنْ سَارِ الْقُرْآنِ شَرِيفٍ خَمَّ كَمَا كَرْتَهُ۔ دوسری روایت سعید بن جبیر سے ہے۔ کہ عثمان بن عفان نے دو رکعت میں حرم کعبہ اللہ میں قرآن ختم کیا ہے۔

ترمذی۔ وَدُرِّی عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ إِنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَتَيْنِ فِي الْكَبَةِ یہاں تک کہ اس روز افزوں ترقی تلاوت اور اس طریق پر ختم شنبینہ کے رواج عام کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم قرآن کے متعلق ایک ایسے طریق کے اختیار کرنے کی ہدایت کرنی پڑی۔ جو طبع انسانی پر گراں نہ ہو۔ اور اس دنیوی مشاغل میں بھی ہرج واقع نہ ہو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اس مضمون پر ایک باب ہے۔ کہ قرآن شریف کتنی مدت میں ختم کرنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے۔ کہ ایک صحابی ایک رات میں سارا کلام مجید ختم کیا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا۔ اور ہدایت فرمائی۔ کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ ایک رات میں نہیں۔ بلکہ سات یا چھ یا کم از کم تین دن میں ختم کرنا مناسب ہے۔

ایک اور حدیث ترمذی و مسند داری وغیرہ میں ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اخْتِمُوا الْقُرْآنَ قَالَ اخْتِمُوهُ فِي شَهْرٍ قُلْتُ إِنْ أُطِيقُ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمُوهُ فِي عَشْرِينَ قُلْتُ إِنْ أُطِيقُ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمُوهُ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ قُلْتُ إِنْ أُطِيقُ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمُوهُ فِي خَمْسٍ قُلْتُ إِنْ أُطِيقُ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ فَمَا رَجَّصَ لِي ۝

(ترجمہ) عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں کتنے عرصہ میں قرآن مجید ختم کیا کروں۔ فرمایا ایک ماہ میں۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا۔ پچیس دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا۔ بیس دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا۔ پندرہ دنوں میں ختم کرو۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا۔ دس دنوں میں ختم کرو۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا۔ پانچ دنوں میں ختم کرو۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس سے جلدی میں ختم کر سکتا ہوں۔ تو پھر فرمایا۔ بس۔ لیکن اب اس سے کم مدت ختم قرآن کی ایجاد نہیں ہو سکتی !

ایسے ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۳ میں ہے۔ عن ابن مسعودؓ قرآن وانقرآن فی سبعم ولا تقرؤہ فی اقل من ثلاث کہ قرآن کریم سات دنوں میں پڑھا کرو۔ یعنی ختم کیا کرو۔ اور تین دن سے کم مدت میں ختم نہ کرنا چاہئے !

اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا انّ النبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلاث !

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضایت کرتی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے !

الغرض صحاح میں بہت ساری حدیثیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حافظان کلام مجید کی جماعت کافی تعداد میں موجود ہو گئی تھی۔ جن میں سے اکثر حضرات ایک رات میں سارا کلام مجید نوک زبان سنا سکتے تھے۔ اور حفاظ کی ایک ایسی جماعت بھی تھی۔ جو قراء کے نام سے موسوم تھی۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیم دینے والے حفاظ صاحب فتح الباری لفظ قراء کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ ”الَّذِينَ اسْتَشْهُرُوا بِحِفْظِ الْقُرْآنِ وَالتَّصَدُّقِ لِعَلِّمِهِ“

یعنی قراء وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن شریف کے حفظ کرنے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھانے کے لئے مشہور تھے !

قرآن شریف کی عام تعلیم اور اس کی روز افزوں ترقی اس کے حفظ کے رواج عام کے ساتھ ساتھ مسعودیسیان کے باعث غلط الفاظ کا زبان پر آجانا اور خارج حروف میں تساہل و غفلت کے باعث اصلیت حروف میں تغیر کا پیدا ہو جانا چونکہ ایک لازمی امر تھا۔ لہذا اس نقص کے دور کرنے کے لئے برعایت حفظ مآلہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اقراء صحابی مقرر فرمادیئے تھے۔ ان حضرات کا یہ کام تھا۔ کہ دوسرے صحابہ سے ان کی یاد کی ہوئی سورتیں سنا کرتے تھے۔ گویا عام حافظان کلام مجید و قاریان قرآن شریف کی صحت حفظ کے مدار علیہ بنادیئے گئے تھے۔ وہ حضرات یہ ہیں:-

قرآن پڑھانولے عبد اللہ بن عمر - عبد اللہ بن مسعود - سالم - معاذ - ابی بن کعب - مکہ مکرمہ قاریوں کے نام میں ارقم مخزومی کا مکان درس گاہ قرآن مجید معین تھا۔ جہاں عام مسلمان جمع ہوتے۔ اور قرآن خوانی کرتے تھے۔ اور ہجرت کے بعد اہل صفہ جس میں کم و بیش اسی آدمی تھے۔ کی خصوص یہی خدمت معین ہوئی۔ کہ خود بھی قرآن پڑھیں۔ اور دوسروں کو بھی پڑھائیں۔

امام بخاری نے باب القراءین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حافظان کلام مجید کے متعلق بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے -
 ذَكَرَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا أَدْرِي أَحَبَّهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ وَمَعَاذٍ وَابْنِ كَعْبٍ - یعنی عبد اللہ بن عمر نے عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہوں گا۔ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ چار آدمیوں عبد اللہ بن مسعود - سالم - معاذ ابی بن کعب سے قرآن سیکھا کرو۔

اس حدیث مبارک سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ تمام صحابہ کرام میں صرف یہی چار صحابی حافظ قرآن تھے۔ اور قرآن شریف کی تعلیم انہیں میں محدود تھی۔ بلکہ اس حدیث سے ان حضرت کی قرآن والی کا اظہار مطلوب ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن اخذ کیا۔ اور دربار نبوی ہی میں اُسے یاد کیا۔ اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حفظ کی صحت فرمائی تھی۔ خصوصاً عبداللہ بن مسعود کی قرأت آپ صلعم کو بہت پسند تھی۔ چنانچہ مرضِ وصال میں آپ کی تسکین خاطر کے لئے یہی علاج قرار پایا تھا۔ کہ عبداللہ بن مسعود قرآن پڑھ کر سُناتے۔ یہاں تک کہ تقریباً انہوں نے سارا کلام مجید آپ صلعم کو سُنایا۔

احادیث مقبرہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حفاظ و قراء بکثرت موجود تھے۔ ہم ذیل میں چند مشہور حفاظ صحابہ کے نام نامی کی فہرست دیتے ہیں۔ جو ہمارے دعوے کی توثیق ہے۔

حفاظ صحابہ کے نام ابو بکر صدیقؓ - عمر فاروقؓ - عثمانؓ - علیؓ - طلحہؓ - سعدؓ - ابن مسعودؓ - حذیفہؓ - سالم مولے حذیفہؓ - ابو ہریرہؓ - عبداللہ بن سائبؓ - عبداللہ بن عمرؓ - عبادہ بن صامتؓ - ابو حلیفہؓ - مجمع بن جاریہؓ - (دوسو تیس کم) - فضالہ بن عبیدہؓ - سلمہ بن مخلدؓ - تمیم داریؓ - عقبہ ابن عامرؓ - ابوسمیل اشعریؓ - عائشہ صدیقہؓ - ام المومنین حفصہؓ و ام سلمہؓ - ام رومہ رضی اللہ عنہم وغنہن۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات حافظ تھے۔ چنانچہ صرف ایک غزوہ بُسرعونہ میں ستر قراء (حافظان کلام مجید) شہید ہو گئے ہیں۔ اور غزوہ یمامہ میں (جو رسول کریم کی رحلت فرمائی کے تھوڑے ہی دنوں بعد کا واقعہ ہے) بھی شتر کے قریب قاری شہید ہوئے جس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ الوقت کی خدمت میں اہمیتِ ذات کو اظہار کر کے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ کہ قرآن شریف ایک جلد میں جمع کر دیا جائے۔ اس موقع پر ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ کہ جملہ قراء میں اکثر یا بعض حضرات ایسے بھی ہونگے۔ جو کہ تمام کلام مجید یاد نہ ہو۔ بلکہ وہ صرف ناظرہ خواں ہوں۔ کیونکہ تعلیم کتاب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ معلم کو وہ کتاب یاد بھی ہو۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے تاہم اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ قاریوں یعنی قرآن کی تعلیم دینے والوں کے پاس قرآن شریف کا کوئی مکمل نسخہ ضرور ہونا چاہئے۔ جو تمام سورتوں کی ترتیب اور ہر ایک سورت کی اندرونی ترتیب آیات کا جامع ہو۔ خواہ وہ قرآن کسی ظاہری لوح پر لکھا ہو یا نہ ہو۔ خواہ دل

کی لوح پر کندہ ہو۔ اس لئے کہ کتاب کی تعلیم کے لئے اس کتاب کا ایک خاص ترتیب پر مرتب ہونا ضروری ہے۔ اور اس تحریر سے ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سارے کا سارا قرآن مجید کیا بلحاظ ترتیب سُور اور کیا بلحاظ ترتیب آیات کامل و مکمل تھا۔ اور بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ نے اسے پڑھا۔ اور پڑھایا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے جب ہم عامہ جماعت صحابہؓ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں ان کے سینوں میں بھی قرآن شریف محفوظ دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے کہ حافظانِ کلام مجید کے سوائے دوسرے دوسرے صحابہ کرام کو بھی کلام مجید کے اکثر حصے یاد تھے۔ جیسے کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ غزّی نمازوں کے ادا کرنے کے لئے ہر ایک مسلمان پر کچھ نہ کچھ حصہ کلام مجید کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ پس کسی صحابی کو سورہ بقرہ یاد تھی۔ اور کسی کو سورہ آل عمران اور کسی کو سورہ یوسف علیٰ ہذا القیاس۔ ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے سینے میں کلام مجید کا کلا یا جزاء ضرور محفوظ کیا ہوا تھا۔ اور اس حفظ کا قدرتی معاون ذریعہ طرزِ نزولِ کلام مجید تھا۔ کہ ایک آیت یا سورت کے نازل ہونے کے بعد دوسری آیت یا سورت کے نازل ہونے میں اتنا وقفہ ضرور ہوتا تھا۔ کہ سورت آسانی سے یاد ہو سکتی تھی۔

اسلامی تاریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کلام مجید کا نزول بتدریج تیس سال میں ہوا ہے جب ہم آجکل کی قرآنی درسگاہوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں بہت سے ایسے کمین بچے دکھائی دیتے ہیں۔ جنہوں نے تین سال یا اس سے کم و بیش عرصہ میں سارا کلام مجید یاد کر لیا ہے۔ تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھر بھی مشکل نہیں رہتی۔ کہ قرآن شریف کا یاد کر لینا صحابہ کرامؓ کے لئے اتنی وسیع مدت میں نہایت ہی آسان تھا۔ اور اسی لئے اس کثرت سے ان میں حفاظ بھی موجود ہو گئے تھے۔

قرآن شریف کی سطح لکھا گیا

ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ جو ہی کسی آیت کا نزول ہوتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق وہ اُسی وقت تحریر میں ضبط کر لی جاتی تھی۔ تاریخ شہادت دیتی ہے۔

کہ قرآن مجید کا نزول دفعۃً نہیں ہوا۔ بلکہ حسب اقتضائے وقت منشاءً الہی کے مطابق بتدریج تیس سال کے عرصہ میں ہوتا رہا ہے۔ اور ہر ایک سورت کی آیتوں کا نزول ترتیب وار بطریق تسلسل بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ کہ ابھی ایک سورت مکمل نہ ہونے پائی تھی۔ کہ درمیان میں دوسری سورت نازل ہونی شروع ہو جاتی تھی۔ بعض وقت تین تین چار چار مختلف سورتوں کی آئیں بلا ترتیب ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتی تھیں۔ اور یہ بھی نہیں تھا۔ کہ سورتوں کی آئیں نزولی ترتیب کے موافق یکے بعد دیگرے مکمل کی جاتی تھیں۔ بلکہ بعض اوقات رسول کریمؐ نے آخر سورت میں نازل شدہ آیت کو وسط سورت یا اول سورت میں تحریر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ بعض کو کسی دوسری آیت میں ضم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور بعض سورتیں ایسی بھی ہیں۔ کہ دفعۃً واحدہً ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہیں۔ الغرض تیس سال میں علی التواتر قرآن شریف کا نزول ہوتا رہا ہے۔ جس میں نہ تو سورتیں ترتیب وار نازل ہوئیں۔ اور نہ ہی سورتوں کی آیتوں کا بطریق تسلسل نزول ہوا ہے۔ لہذا زمانہ نزول کام مجید میں اس کی تحریر کی یہی صورت ممکن ہو سکتی تھی۔ کہ ہر ایک سورت بلکہ ہر ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ ایک خاص نشان کے ساتھ اس طریق پر لکھا جائے۔ کہ اگر کسی آیت کو مقدم یا مؤخر کرنے کی ضرورت ہو۔ تو آسانی کے ساتھ اس کا عمل ہو سکے چنانچہ اسی ترتیب پر آئیں اور سورتیں علیحدہ علیحدہ تحریر میں ضبط کرنی جاتی تھیں سلسلہ نزول وحی چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر تک جاری رہا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قرآن مجید کی تمام سورتیں ترتیب وار ایک جلد میں جمع نہیں ہوئیں۔ اور ہو سکتی بھی نہ تھیں۔ لیکن بجائے خود تمام سورتیں کامل و مکمل ہو چکی تھیں۔ اور ان کی آیات کی اندرونی ترتیب و تہذیب کا بھی ایسا مکمل انتظام ہو چکا تھا۔ کہ یہ کہا جاسکتا تھا۔ کہ فلاں سورت کی اتنی آئیں ہیں۔ اور فلاں آیت کا یہ نمبر ہے۔ یہ سورتیں اور آئیں ترتیب وار بنظر ایک جلد میں تو جمع نہیں تھیں۔ لیکن حفاظ کے زندہ دلوں کے اوج پر ترتیب وار نہایت عمدگی سے کدہ تھیں۔ پس

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کلام مجید پوری ترتیب کے ساتھ جمع تو تھا۔ لیکن یہ جمع شدہ قرآن صرف حافظوں کے سینوں ہی میں محفوظ تھا۔ اور ایک کتاب یا ایک جلد میں ترتیب اور اس کی تمام سورتیں جمع نہ تھیں۔ بلکہ متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ پرچوں پر لکھی ہوئی تھیں۔ البتہ ان کی آیتوں کی اندرونی ترتیب بالکل کامل و مکمل اور منتظم تھی۔ سینکڑوں قاری و حافظ ایسے تھے۔ جن کو تمام کلام مجید الحمد سے لے کر وائس تک انبریاو تھا۔ بعض حضرات ایک رات میں ہر روز ختم بھی کر لیا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تلاوت فرماتے تھے۔ اور دوسروں سے سنا بھی کرتے تھے۔ جیسے کہ ہم پچھلی بحثوں میں بوضاحت لکھ آئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی سورتوں کو ایک خاص ترتیب پر مرتب کیا ہو تھا۔ اس لئے بدون ترتیب خاص قرآن جیسی ضخیم کتاب کی تلاوت پر غلط نہیں ہو سکتی۔ اور تمام صحابہ کرامؓ بھی اسی نبوی ترتیب قرآن کے عامل تھے۔ یہ ایک لغو خیال ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا طریق تو کچھ اور تھا اور صحابہؓ اپنی مرضی کے مطابق ترتیب دینے ہوئے کلام اللہ کی تلاوت کیسے تھے۔ یعنی یہ کہنا۔ کہ سورتیں بلحاظ ترتیب آیات اگرچہ مکمل تھیں۔ لیکن خود سورتیں چونکہ ترتیب وار مرتب نہ تھیں۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ ایک صحابی کی تلاوت میں جو سورتوں کی ترتیب ہے دوسرے کی تلاوت میں وہ نہ ہو۔ یہ خیال باطل ہے۔ اس لئے کہ جب یہ ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کلام مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ تو صحابہؓ کو اس نبوی ترتیب سورتوں کے برخلاف سورتوں کو ترتیب دینے کی کیا ضرورت تھی؟

سورہ سورہ کے خیالات پادری ویم پور اپنی کتاب لائف آف محمد کے ایک مقام پر قرآنی سورتوں کی ترتیب کے متعلق اور ان کی آیتوں کی ترتیب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے

”بہر حال اتنا تو ضرور ہے۔ کہ اکثر سورتوں کی اندرونی ترتیب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے نہیں ہے۔“

اور پھر حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ کہ ”یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے۔ کہ بعض صحابہ سارے قرآن شریف کی معین دقت میں تلاوت کر سکتے تھے۔ جس سے یہ بات قرار دینی پڑتی ہے کہ اس میں بعض حصص قرآنی کا باہمی تعلق اور ربط ضرور تھا۔“

ایک اور حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ”آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حین حیات میں چار پانچ تو ایسے صحابی موجود تھے۔ جو کامل قرآن شریف کو نہایت صحت کے ساتھ ازبر رکھتے تھے۔ اور اکثر ایسے بھی موجود تھے۔ کہ قریباً سارا قرآن ازبر رکھتے تھے۔“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”لیکن اس بات کو ماننے کے لئے بہت سے وجوہ ہیں۔ کہ بڑی بڑی سورتیں اور ان کی آیات جو زیادہ تر مستعمل تھیں۔ معین ہو چکی تھیں۔ اور اپنے اپنے ناموں اور خاص نشانوں سے موسوم و معروف تھیں۔ اور صحیح حدیثوں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود یوں بعض سورتوں کا موسوم کرنا ثابت ہے۔ مثلاً جب غزوہ خنین میں بعض لوگ بھاگے۔ تو اس وقت ان کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اصحاب بقرہ کے پکارتے تھے۔“

اور ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں اکثر صحابیوں نے قرآن شریف کی بعض سورتیں حفظ کر لی ہوئی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دہن مبارک سے قرآن شریف کی ستر سورتیں سیکھی تھیں۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخری مرض موت کے ایام میں ستر سورتیں تلاوت فرمائی تھیں۔ جن میں سات لمبی سورتیں تھیں۔ ان حدیثوں سے کم از کم قرآنی سورتوں کی آیتوں میں ایک حد تک معین ترتیب ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کا اس سے پتہ نہیں لگ سکتا۔“

ایک اور جگہ ”حدیث مذکورہ بالا جس میں سورتوں کی وہ تعداد لکھی ہے۔ جو بعض صحابہ کو یاد تھیں۔ اور نیز وہ تعداد جو خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخری وقت میں پڑھی تھیں۔ مذکور ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ سورتیں اس وقت مکمل اور مرتب صورت میں موجود تھیں۔“

ایک اور جگہ ”جبکہ یہ بات ثابت ہے۔ کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سورہ ہائے قرآنی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ تو اس سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے۔ کہ سورتوں کی ترتیب کا کس حد تک آپ نے ضرور فیصلہ کر دیا ہوا تھا“ انتہی ارلا لائف آف محمد

ولیم میور کے خیالات | باوری ولیم میور نے متن کتاب میں تو سورتوں کی ترتیب سے انکار کیا کے اضطراب کا اظہار ہے۔ لیکن اسلامی تاریخی شہادتوں نے اُسے اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ اس کا انکار صحیح نہیں۔ جبکہ حواشی میں وہ خود معترف ہیں کہ ”ایام مرض

میں خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورتوں میں تلاوت فرمائی ہیں۔ جن میں سات لمبی سورتیں تھیں۔“ تو اب باقی قرآن شریف کے آخری حصہ کی کل چالیس سورتیں رہ جاتی ہیں۔ جو بالکل چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور سب ملکہ ایک لمبی سورت کے برابر بھی نہیں ہوتیں۔ اور عام نمازوں میں اکثر لوگ انہیں پڑھا کرتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو انہیں پارے تو یاد ہوں۔ اور ایک اخیر کا پارہ قرآن یاد نہ ہو۔ اور پارہ بھی وہ جسکو عام بچے اور عورتیں بھی یاد رکھتی ہیں۔ اور جو کہ نزول میں قریباً اول النزل ہے پھر لکھتا ہے۔ کہ چار پانچ صحابی ایسے موجود تھے۔ کہ کل کا کل قرآن مجید ازبر رکھتے تھے۔ اور معین وقت میں اُسے دہرا سکتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ترتیب سورت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے ؟

ترتیب سورت قرآن پر | اس موقع پر ہم ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ جس سے ہمارے حدیث کی شادوت | دعویٰ کی صحت پر اور بھی روشنی پڑتی ہے۔ احمد ابو داؤد وغیرہم لکھتے

ہیں۔

عن اوس ابن ابی اوس عن حذیفۃ الثقفی قال کنت فی وفد الذین اسلموا من ثقیف فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرعا علی جرتی من القرآن فاردت ان لا اخرج حتی اقصیۃ قال فسا لنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تحزبون القرآن قالوا نخری بہ ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور واحدی

عَشْرَةَ سُورٍ وَثَلَاثَ عَشْرَةَ سُورٍ وَحَرْبٍ الْمُنْفَصِلِ مِنْ قِي حَتَّى كَحْتَمِ -

اوس حذیفہ ثقفی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ تعقیف کی اس وفد میں جو اسلام لانے والی تھی۔ میں بھی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے قرآن شریف میں سے اپنا ایک منزل کو پورا کرنا ہے۔ اس لئے میں ارادہ کرتا ہوں۔ کہ جب تک ختم نہ کریوں۔ اس وقت تک باہر نہ نکلاؤں۔ اس پر ہم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ تم نے کس طرح قرآن کریم کی منزلیں مفرکی ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ تین سورتوں۔ پانچ سورتوں۔ سات سورتوں۔ نو سورتوں۔ گیارہ سورتوں۔ تیرہ سورتوں اور قی سے شروع ہو کر آخر قرآن تک (جن کو مفصل کہتے ہیں) سات حصوں میں یعنی قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں۔ واضح ہو۔ کہ اس حدیث میں سورہ فاتحہ جو قرآن شریف میں اول لکھی ہوئی ہے۔ شمار نہیں کی گئی۔ اور یہ امر کسی غلطی پر مبنی نہیں ہے۔

ابن حجر لکھتے ہیں۔ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے۔ کہ آج جس انداز پر متحف مجید میں سورتوں کی ترتیب پائی جاتی ہے۔ یہی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی تھی۔

آئیوں اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جبریل علیہ السلام کی ہدایت کے موافق ترتیب دیا ہے۔ صرف ایک سورہ برأت کے متعلق اختلاف ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کو ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ تینوں نے نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس نے عثمان بن عفان سے کہا۔ کہ سورہ انفال جو مثنائی میں سے ہے۔ اور سورہ برأت کو مثنیٰ سے ہے۔ ان دونوں کو کس مناسبت سے تم نے ملا دیا ہے۔ اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی۔ اور سبع طوال میں شامل کر دیا ہے۔ عثمان نے کہا۔ کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں جس وقت کوئی آیت نازل ہوتی۔ آپ صلعم فوراً کتاب وحی کو ہلا کر بتلا دیتے۔ کہ یہ آیت فلا سورت کی ہے۔ اس کو فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت سے پہلے لکھو۔ سورہ انفال اس

وقت نازل ہوئی تھی۔ جبکہ ابتدائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے۔ اور برآۃ سب کے اخیر میں نازل ہوئی ہے۔ ان دو سورتوں کا قصہ اور مضمون ملتا جلتا ہے۔ اس لئے میں نے یہی خیال کیا۔ کہ برآۃ سورہ انفال کا بقیہ ہے۔ اسی اثنا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ اور اس سورہ کے متعلق ہم سے کچھ ارشاد نہ ہوا۔ اس لئے میں نے ان دو سورتوں کو ایک کر دیا ہے۔ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم درمیان میں نہیں لکھی۔ اس حدیث سے آیات اور سورتوں کی ترتیب کے توفیقی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ البتہ سورہ برآۃ کی ترتیب توفیقی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن غور سے دیکھنے کے بعد یہ حدیث بھی مخدوش معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہے۔ کہ عبد بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عہد نبوی میں سورہ انفال کے تمام کلام مجید الحمد للہ سے ولاناس تک یاد پڑھا جاتا تھا۔ اور کئی بعد سورہ توبہ پڑھی جاتی تھی صحابی کامل حافظ تھے۔ تو پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ انفال کے بعد سورہ برآۃ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بلکہ کوئی اور سورت پڑھی جاتی تھی۔ البتہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ عند التلاوات انفال اور برآۃ میں بواسطہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فصل نہیں کیا جاتا تھا۔ اور بس ۱

قرآن کی سورتوں کے نام توفیقی ہیں۔ یعنی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معین کئے ہوئے ہیں۔ بعض سورتوں کے نام ایک سے زیادہ بھی ہیں۔ مثلاً سورہ فاتحہ کے سورتوں کے نام توفیقی ہیں پچیس نام ہیں۔ ان سورتوں کی باعتبار تعداد آیات چار قسمیں ہیں۔ اس کے متعلق امام احمد بن حنبل ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے چھائے تورات کے سب سے طویل اور زبور کے عوض میں اور بمقابلہ انجیل مثانی عطا کی گئی ہیں۔ اور یہ میری فضیلت ہے۔ کہ ان کے علاوہ مجھے مفضل بھی عطا ہوئی ہیں۔

سورتوں کے اقسام (۱) سبع طویل۔ (سات بڑی بڑی سورتیں ہیں) بقرہ۔ آل عمران۔ نساء۔

مائدہ۔ النعام۔ اعراف۔ انفال۔ حج۔ برآۃ ۲

(۲) میں (دو سورتیں ہیں۔ جن میں کم و بیش سو آیتیں ہیں)۔ سورہ یونس سے

فاطر تک ۳

(۳) مثلاً - (وہ سورتیں ہیں جن میں کے قصے اکثر دہرائے گئے ہیں - اور فصاحت
کر بیان ہوئے ہیں) سورہ یس سے سورہ ق تک ء

(۴) مفصل - (جد اجدا اور علیہ علیہ مضمون والی سورتیں) سورہ ق سے آخر کلام
مجید تک ء

مفصل کی پھر تین قسمیں ہیں - طول - اوساط - قصار ء
(طول) ق سے والمسلات تک - (اوساط) سورہ نبا سے والضحیٰ تک - (قصار)
سورہ الم نشرح سے والناس تک ء

مصاحف ابی بکر رضی اللہ عنہ

قال اللہ تعالیٰ - اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ - سورہ قہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف
سے یہ وعدہ موجود ہے - کہ جیسے قرآن کریم کا پڑھانا یعنی رسول کریم کو پڑھانا ہمارا کام ہے
اسی طرح قرآن کریم کی جمع بھی ہمارا ہی کام ء

قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کا ذکر تو ہم کر آئے ہیں - اب دیکھنا یہ ہے - کہ اس دوسرے وعدہ
الہی کے ایفا کا کیا طریق ہوا - یعنی قرآن شریف کس طرح جمع (لکھا) کیا گیا - اوپر کی بحثوں میں
ہم بوضاحت لکھ آئے ہیں - کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تمام کلام مجید
تحریر میں ضبط تو کر لیا گیا تھا - لیکن ترتیب وار مسلسل تمام سورتیں ایک جلد میں جمع (لکھی)
نہیں ہوئی تھیں - اور جمع ہو سکتی بھی نہ تھیں - کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر
عمر تک قرآن کا نزول ہوتا رہا ہے - لیکن زمانہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد جب کہ تمام کلام
مجید کو ایک جلد میں جمع کر دینے کی وہ تمام دقتیں رفع ہو گئیں - جو زمانہ نزول میں تحریر قرآن
کے لئے لازمی تھیں - تو حسب وعدہ الہی حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول کے عہد مبارک میں کلام مجید
کی وہ تمام آیتیں اور سورتیں جو علیہ علیہ پرچوں پر لکھی ہوئی غیر مرتب پڑی تھیں -
اسی ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں جمع کر دی گئیں - جس ترتیب پر خود رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُن کو حفاظ کے پاک صاف سینوں میں جمع فرمایا تھا - پس وعدہ جمع قرآن کریم

کی ایفا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں خود آپ صلعم کے
 ہاتھوں سے ہو چکی تھی۔ لیکن اتمام ایفائے وعدہ اور اس کی تکمیل و تہذیب
 کا سہرا حضرت ابوبکرؓ کے سر پہ باندھا گیا۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
 يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ +

احساس ضرورت جمع کلام مجید

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند روز بعد
 مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے ایک جرّار لشکر روانہ کیا۔ اس محرک
 میں مسیلمہ تومار گیا۔ مگر بارہ سو کے قریب صحابہ بھی شہید ہو گئے۔ جن میں سے سات
 سو قرآنِ دل اور خصوصاً ستر قاری بھی تھے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ
 خیال پیدا ہوا کہ اگر ایسی ہی اور بھی خطرناک لڑائیاں پیش آئیں۔ تو ممکن ہے کہ اکثر
 قراء شہید ہو جائیں۔ اور اس طرح کوئی حصہ کلام مجید کا ضائع ہو جائے۔ لہذا
 انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کریم کی طرف توجہ دلائی۔ حدیث
 یہ ہے :-

حدثنا موسى بن اسماعيل عن ابراهيم بن سعد - حدثنا ابن شهاب
 عن عبيد ابن الساق ان زيدا بن ثابت رضى الله عنه قال ارسل الى
 ابوبكر الصديق مقتل اهل اليمامة فاذا عمر ابن الخطاب عنده قال ابوبكر
 رضى الله عنه ان عمر اتاني فقال ان القتل قد استعمر يوم اليمامة
 بقراء القرآن والى اخشن ان استعمر القتل بالقرى بالمواطن فيذهب
 كثير من القرآن واني ارى ان تامر بجميع القرآن قلت نعم كيف
 تفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هذا ر
 الله خير فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدرى لذلك ورايت
 في ذلك للذي راى عمر - قال زيد قال ابوبكر انك رجل شاب

عَاقِلٌ لَا تَنْهَضُكَ وَفَدَكُنْتَ تَكُنْبُ الْوَحْيِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَتَتَّبِعُ الْقُرْآنَ نَاجِمَهُ فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا
كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جُمُوعِ الْقُرْآنِ - قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا
لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللَّهُ خَيْرٌ فَلَمْ
يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرُ
أَبِي بَكْرٍ وَعَمَّرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا - فَتَتَّبِعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَةَ مِنَ الْعُسْبِ
وَالنَّجَافِ وَصَدْرِي لِرِجَالٍ حَتَّى وَجَدْتُ أَخْرَاسُورَةَ التَّوْبَةِ مَعَ
أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ فَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُ
مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ - حَتَّى خَاتَمَةَ الْبِرَّةِ فَكَانَتْ الْقَتَحْفُ
عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَقَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرُ حَيَاتِهِ ثُمَّ مَنَدَ حَفْصَةُ بِنْتُ
عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ء

(ترجمہ) زید بن ثابت فرماتے ہیں - جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی
مجھے بلوا بھیجا - جب میں آپ کے پاس پہنچا - حضرت عمر بھی وہیں موجود تھے - حضرت
ابو بکر نے مجھے فرمانے لگے - ابھی عمر میرے پاس آئے - اور کہا - یمامہ کے جنگ میں
قرآن کریم کے قاریوں میں بہت قتل واقع ہوا ہے - میں ڈرنا ہوں - کہ اور سیدانوں
میں بھی اگر اسی طرح قاری لوگ قتل ہوتے رہے - تو بہت ساحقہ قرآن کریم کا ضائع
ہو جائیگا - میری یہ رائے ہے - کہ آپ جمع قرآن کا حکم دیں - میں نے عمر سے کہا - تم
کیونکہ اس کام کو کرتے ہو - جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا - عمر نے
جواب دیا - خدا کی قسم اس میں بہتری ہے - پس عمر میرے ساتھ بحث کرنے رہے -
کہ میرے سینے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کھول دیا - اور میری بھی اس میں
وہی رائے ہو گئی جو عمر کی رائے تھی - پھر ابو بکر نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا - تم
عقل مند اور جوان آدمی ہو - ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے - اور تم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے - پس قرآن کی تلاش کر کے اسے

ایک جلد میں جمع کر دو۔ خدا کی قسم اگر مجھے اس بات پر مجبور کرتے کہ تم ایک ہمارے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کر دو۔ تو یہ بات مجھے زیادہ دشوار نہ معلوم ہوتی۔ بہ نسبت اسکے کہ مجھے جمع قرآن کا حکم دیا۔ میں نے کہا۔ تم کس طرح وہ کام کرتے ہو۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ واللہ یہ بہتر ہے۔ پس حضرت ابو بکرؓ مجھے جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ خداوند نے میرا سینہ اس بات کے لئے کھول دیا۔ جس کے لئے اس نے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کے سینے کھول دیئے تھے۔ پھر پچھنے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اور میں اُسے جمع کرنا تھا۔ کھجور کی ٹہنیوں۔ پتھر کی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں یعنی حافظوں سے یہاں تک کہ آخر سورہ توبہ کی آیتیں مجھے ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملیں۔ یعنی لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ سے خاتمہ براہ تک۔ پس یہ میٹھے ابو بکرؓ کے پاس رہے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو وفات دی۔ تو پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے۔ اور ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس۔ انتہی۔

حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کے توقف سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ کلام مجید کے غیر منضبط ہونے کے باعث متروک ہوئے تھے۔ نہیں بلکہ ان کے دل میں قرآن شریف کے ضائع ہونے کا وہم تک بھی نہیں گذرتا تھا۔ اور کیوں گذرتا۔ حفاظ کثرت سے موجود تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کا رواج عالمگیر ہو چکا تھا۔ اور اس کی آیتیں و سورتیں لکھی جا چکی تھیں۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی تحریک کے دلائل قوی تھے۔ اور مناسب وقت تجویز تھی۔ لہذا حضرت ابو بکرؓ اور ایسے ہی حضرت زید بھی جمع کلام مجید پر متفق ہو گئے۔ اور تمام صحابہ کرام نے بھی اس تجویز کو بطیب خاطر پسند کر لیا +

کلام مجید کس طرح پر جمع کیا گیا

کلام مجید کو ایک جلد میں جمع کر دینے کی تجویز جب قائم ہو گئی۔ تو حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کا یہ حکم ہوا۔ کہ کوئی آیت تحریری ثبوت کے بغیر نہ لی جائے۔ اس لئے حضرت زید کے پاس

پہلے وہ تمام چیزیں جمع کرادی گئیں۔ جن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اہتمام سے آئیں اور سورتیں لکھوائی تھیں۔ اس کے بعد بواسطہ سناوی تمام وہ تحریریں بھی اکٹھی کرلی گئیں۔ جو متفرق طور پر اکثر صحابہ کرام کے ہاتھوں میں محفوظ تھیں۔ اگر کوئی شخص ایسی آیت پیش کرتا۔ جس کی تحریر دوسرے صحابہ سے نہ ملتی۔ تو وہ بغیر دو معتبر شہادتوں کے قبول نہیں کی جاتی تھی؛

صحیح بخاری کے باب جمع قرآن کی ایک حدیث کی تشریح میں صلب نفع ابابری جلد ۹ میں لکھتے ہیں۔ وَقَدْ كَانَ الْقُرْآنُ كُلُّهُ كُتِبَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ لَكِنَّ غَيْرَ جَمِيعٍ فِي مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَلَمْ يَأْمُرْ أَبُو بَكْرٍ إِلَّا بِكُتَابِهِ مَا كَانَ مَكْتُوبًا وَلِلذَلِكَ تَوَقَّفَ زَيْدٌ عَنْ كِتَابَةِ مَنْ آخِرُ سُورَةٍ بَرَاءَةٌ حَتَّى وَجَدَهَا مَكْتُوبًا مَعَ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحْضِرُهَا هُوَ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ ۚ

ترجمہ۔ تمام قرآن شریف مہدنبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا جاچکا تھا۔ لیکن تمام ایک جگہ جمع نہ تھا۔ پس حضرت ابوبکرؓ لکھی ہوئی آیتوں کے بغیر کسی اور شے کے لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت زیدؓ سورہ برآۃ کے آخری حصے کی آیات کے جمع کر لینے میں اس وقت تک رُکے رہے۔ جب تک کہ وہ لکھی ہوئی ان کو نہ مل گئیں۔ باوجودیکہ زید اس بات کو جانتا تھا۔ کہ وہ سورہ برآۃ کی آخری آیات ہیں۔

ابن ابی داؤد لکھتے ہیں۔ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ لِعُمَرَ وَالزَّيْدِ اذْهَبَا عَلَيَّ بِابِ السَّجْدِ فَمَنْ جَاءَ كَمَا بَشَّاهُ بَيْنَ عَلَيَّ شَيْءٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَالْكَتَابُ۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے عمر و زید کو حکم دیا۔ کہ تم مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ۔ اور جو شخص کوئی آیت کلام اللہ کی لائے۔ سارے دو شاہد اس کی تصدیق کریں۔ اسے مصحف میں لکھ لو۔

شراح بخاری شاہین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وَكَانَ الْمُرَادُ بِالشَّاهِدَيْنِ الْحِفْظُ وَالْكِتَابُ أَوِ الْأَمْرُ أَنَّ هُمَا يَشْهَدَانِ عَلَى أَنَّ ذَلِكَ الْمَكْتُوبُ كِتَابُ بَيْنَ يَدَي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فتح الباری جلد ۹۔ یعنی شاہدین سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ آیت محفوظ کیا د ہو اور لکھی ہوئی بھی ہو۔ یا اس پر دو گواہ گواہی دیں۔ کہ

کہ یہ آیت دربار نبوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہے +
ابن ابی داؤد کہتے ہیں۔ قَالَ قَامَ عُمَرُ فَقَالَ مَنْ كَانَ ثَلَاثًا مِنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ بِهِ وَكَانُوا يَكْتُبُونَ
فِي الْمِصْحَفِ وَالْأَلْوَاحِ وَالْعُسْبِ قَالَ وَكَانَ لَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا
حَتَّى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ

راوی کتاب ہے۔ (مسجد کے سامنے) حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر سب سے کہہ دیا۔ کہ
جس کو قرآن شریف کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست پہنچا ہے۔ وہ
اسے لے آوے۔ اور صحابہ قرآن شریف کو کاغذوں تختیوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھ لیا
کرتے تھے۔ اور کسی سے کوئی چیز لکھا ہو قرآن مجید کا ٹکڑا قبول نہ کی جاتی تھی جب
تک اس پر دو گواہ گواہی نہ دیتے۔ یعنی حضرت زید اگرچہ کاتب وحی اور سارے قرآن شریف
کے حافظ تھے۔ لیکن مزید احتیاط کے لئے جو کچھ لکھا ہو پلٹے۔ اس پر دو مقبر گواہ لے
لیتے تھے۔ کہ جو کچھ لکھا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے
قَالَ وَفَالِدَةُ التَّبَعِ الْمُبَالِغَةُ فِي الْاِسْتِظْهَارِ وَالْوَقُوفُ عِنْدَ مَا
كُتِبَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی اس ساری کوشش کی غرض
یہ تھی۔ کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے۔ اس کی
پوری تحقیق و تنقید ہو جائے (ابن ابی داؤد)

زید کی تحریر پس حضرت زید حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے موافق پہلے ہر ایک آیت کو نبوی
مصحف کا لفظ تحریری ذخائر سے تلاش کرتے اور پھر اس کا دوسری تحریروں اور
حفاظ کے سینوں سے مقابلہ کر کے لکھ لیتے تھے۔ صرف حفاظ اور صرف تحریر کے
اعتماد پر نہیں جمع کرتے تھے۔ احتیاط یہ تھی۔ کہ سورہ براہ کی آخری آیتیں اس
وقت تک انہوں نے مصحف میں جمع نہ کیں۔ جب تک کہ انہیں تحریری ثبوت نہیں ملا۔
باوجودیکہ زید خوب جانتے تھے۔ کہ وہ سورہ براہ کی آیتیں ہیں۔ اس لئے
کہ وہ خود حافظ تھے۔ اور دوسرے صحابہ حفاظ کے سینوں کے زخیروں میں بھی

ایسا ہی ان آیتوں کو موجود پاتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کی تحریر نہیں ملتی تھی۔ اس لئے وہ ان آیتوں کے لکھنے میں جرأت نہیں کرتے تھے۔ آخر ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ان کی تحریر دستیاب ہو گئی۔ عام تحریر نہ ملنے کا باعث یہ ہے کہ یہ دو آیتیں آخر زمانہ نبوت میں نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے سب کے پاس ان کی تحریر نہ تھی جیسے کہ صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت زید کہتے ہیں۔ فَتَلَبَّثْتُ أَنْقُرَانِ اجْمَعَهُ مِنَ الْعَسْبِ وَالْبُخَافِ وَصَدُّوْا لِي الرِّجَالَ حَتَّى وَجَدْتُ اْخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ ابْنِ خُرَيْمَةَ لَمْ أَكْضِئْ لَمْ أَجِدْ هَامَعَ أَحَدٍ غَيْرَهُ۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ اَلَمْ يَكُنْ خَاتَمَ الْبَرَاءَةِ

(ترجمہ) پس میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اور میں اسے جمع کرتا تھا۔ کھجور کی ٹہنیوں۔ پتھر کی تختیوں اور آدھیوں کے سینوں (حفاظ) سے یہاں تک کہ آخر سورہ توبہ مجھے ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا۔ اور کسی کے پاس سے نہیں ملا۔ یعنی لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ۔ براءۃ کے خاتمہ تک :

الغرض اس جانفشانی اور کمال احتیاط غایت تحقیق و تنقید کے ساتھ سارے کا سارا کلام مجید کیا بلحاظ ترتیب آیات اور کیا بلحاظ عبارت اس مجموعہ مخزونہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور خاص اہتمام سے لکھا گیا تھا۔ اور اس مجموعہ سے جو حفاظ صحابہ کے سینوں میں محفوظ ہو چکا تھا۔ پوری پوری مطابقت کے ساتھ ایک جلد میں جمع ہو گیا۔ اور تمام صحابہ کرام نے اُسے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر کہاں خوشی اپنی قرأت کی صحت کا مدار علیہ بنا لیا۔ کسی روایت یا حدیث میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں پایا جاتا۔ کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد مبارک میں جو قرآن کریم ایک جلد میں لکھا گیا۔ اس میں کچھ نقص تھا۔ اس صرح کہ اس میں کوئی آیت یا لفظ یا کوئی حصہ کلام مجید کا داخل ہونے سے رہ گیا ہے۔ یا کوئی ایسا لفظ یا فقرہ داخل ہو گیا ہے۔ جو کلام الہی سے نہیں تھا۔

علامہ محاسبی لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی

میں کٹھا لکھوا دیا تھا۔ لیکن وہ چھڑوں۔ تختیوں اور کھجور کی پتیوں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا۔ اور متفرق تھا۔ حضرت ابابکر صدیق نے انہی متفرق لکھوات کو کمال سمجھا اور پوری احتیاط کے ساتھ لکھوا کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور شیرازہ لگا کر تاکے سے سی دیا۔ تاکہ اس کا کوئی ورق ضائع نہ ہو جائے۔ یہ مجموعہ بلا ایک حرف کے بھی تغیر و تبدل یا کمی و بیشی کے بغیر وہی قرآن ہے۔ جو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور اسی حیثیت اسی انداز پر لکھا گیا۔ جس ترتیب سے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوایا۔ اور حفظ کرایا تھا۔ اور بلا استثناء تمام صحابہ کا اس پر اتفاق تھا۔ کہ اس میں اس قدر احتیاط اور کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی لفظ قرآن کا نہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ نہ کوئی بڑھایا گیا ہے۔

مصحف صلیق کے متعلق پادری میور جو کہ ایک متعصب عیسائی ہے۔ مصحف پادری میور کی رائے

ابن بکر کے متعلق لکھتا ہے:-

”کوئی فقرہ یا کوئی اجزاء یا کوئی الفاظ ایسے نہیں ملے گئے۔ جو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیے ہوں۔ نہ ہی کوئی ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو اس مسلم مجموعہ سے اختلاف رکھتے ہوں۔ اگر ایسے کوئی اجزاء یا فقرے یا الفاظ ہوتے تو ضرور تھا۔ کہ ان کا تذکرہ ان احادیث میں پایا جاتا۔ جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سی چھوٹی باتیں بھی اقوال و افعال کی نسبت محفوظ رکھی گئی ہیں۔ انتہی“

ایک میور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ہر ایک حق پسند معاملہ فہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بوجھل تحریک جمع قرآن اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اہتمام تحریر اور حضرت زید کی اس امانت و دیانت اور جانفشانی کو شش مقابلہ و تحریر کو وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ وہ مبارک تحریک و تجویز تھی۔ جس نے دنیا کے سامنے لا مثیل نہ ایک مثال پیش کر کے یہ ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ اس عالم کون و فساد (دنیا) میں ایک کتاب الہی کی حفاظت اس طرح ہو سکتی ہے۔ اس پر قرن درمیاں ہی کیوں نہ گذر

جائیں۔ کیا مجاہد کہ اس کے ایک لفظ یا حرف و نقطہ میں بال برابر فرق آجائے ؛
 ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ کسی کتاب کی حفاظت کے دو ہی ظرف ہو سکتے ہیں۔
 ۱) حافظوں کے سینے (۲) اور صحیفوں کے بطون : قدرت الہی نے قرآن شریف کی حفاظت
 کے لئے بھی یہی تجویز فرمائی۔ کہ جو یہی کوئی آیت نازل ہوتی۔ فوراً تحریر میں ضبط کر لی جاتی
 اور حفاظ کی الواح قلوب پر نہایت عمدگی سے کندہ کر دی جاتی۔ پس رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سارے کا سار اکلام مجید ایک طرف میں تو پوری
 طرح بحال تہذیب ضبط ہو گیا تھا۔ کہ کئی حافظ وقاری ایسے موجود ہو گئے تھے۔
 جو ایک رات میں سارا قرآن مجید الحمد للہ سے الناس تک ازبر پڑھ سکتے تھے۔
 اور دوسرے ظرف یعنی تحریر میں بھی بلا کم و کاست ضبط تو ہو گیا تھا۔ لیکن اس میں
 یہ کسر ابھی باقی تھی۔ کہ وہ سلسلہ وار ایک جلد میں جمع نہیں ہو رہا تھا۔ اور زمانہ نبوت
 میں (جو کہ نزول وحی کا زمانہ ہے) سلسلہ وار جمع ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ پس
 قدرت الہی نے حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت زیدؓ کے ذریعے اس نقص کو بھی
 رفع کر دیا۔ اور اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ کے وعدہ جمع کی تکمیل کر دی۔ پس
 جمع شدہ قرآن شریف حضرت ابوبکرؓ کی خاص نگہبانی میں رہا۔ اور ان کی وفات کے
 بعد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی حفاظت میں۔ اور آپ کی رحلت کے بعد ام المومنین حضرت
 حفصہ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہا۔

جمع کلام مجید میں حضرت زید کی خصوصیت

حضرت زید بن ثابت ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔
 جو ان عقیل۔ ذہین اور بڑے فہم تھے۔ عربی خط و کتابت کے پورے ماہر تھے۔ یہود
 سے چونکہ عبرانی خط میں خط و کتابت ہوتی تھی۔ اور صحابہ کرامؓ عبرانی تحریر کرنے
 والے حضرات موجود نہ تھے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو عبرانی تحریر کیلئے
 کی فہمائش کی جس کو انہوں نے صرف دو ہفتوں میں سیکھ لیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے

قال زيد بن ثابت اصراني رسول الله صلى الله عليه وسلم
فَعَلِمْتُ لَهُ كِتَابَ يَهُودٍ وَقَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَمِنْ يَهُودًا عَلَى كِتَابِي
فَعَلِمْتُهُ فَلَمْ يَمِرْ لِي إِلَّا لِيُصَفَ شَهْرِي حَتَّى حَذَقْتُهُ فَكُنْتُ
أَكْتُبُ لَهُ إِذَا كُتِبَ وَاقَرُّهُ لَهُ إِذَا كُتِبَ إِلَيْهِ ۝

(ترجمہ) زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے
حکم دیا۔ پس میں نے آپ صلعم کے لئے یہودیوں کی کتابت سیکھی۔ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخدا مجھے اپنے مراسلات لکھوانے میں
یہودیوں پر اعتبار نہیں پس مینے نصف ماہ کے عرصہ میں کتابت سیکھ لی۔
اور اس میں خوب ماہر ہو گیا۔ پس جب کوئی مراسلہ آپ صلعم نے لکھوانا ہوتا
تو میں ہی لکھتا۔ اور جب کوئی مراسلت کہیں سے آتی۔ تو میں ہی پڑھ کر اسے سناتا
مدینہ شریف میں تشریف لانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو
کتابت وحی پر معین فرما دیا تھا۔ اور اس کام کو انہوں نے نہایت امانتداری۔
دیانت اور احتیاط سے سرانجام دیا۔ کلام اللہ شریف کا مدنی النزل حصہ عوام
زید ہی کا لکھا ہوا ہے۔ اور وہ بہت کم آئیں ہیں۔ جن کو زید کی غیر حاضری
میں دوسرے کاتبوں نے لکھا ہے۔ اور آپ نے رسول کریم صلعم کی مجلس ہی
میں قرآن مجید حفظ بھی کر لیا تھا۔

ابن ابی داؤد لکھتے ہیں۔ زید بن ثابتؓ اسد ابنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
رہا کرتے تھے۔ اور وحی لکھا کرتے تھے۔ اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان کو سارا کلام مجید یاد کروایا تھا۔ علاوہ اس کے جس سال نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہے۔ اس سالی رمضان میں دومتہؓ ابنی کریم
نے جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن دوہرایا تھا۔ اس میں زید بن ثابتؓ
شریک تھے۔ پس نظر موجودہ بالا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمیع کلام مجید کے لئے
زید کو منتخب فرمایا۔ اور یہی انسب تھا۔

مصاحف عثمانی

جنگ یمامہ میں قاریوں کی ایک جماعت کے شہید ہو جانے کے باعث جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں قرآن مجید کی جمع کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اسی طرح مکہ عراق میں قرأت کے اختلاف کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر حضرت خذیفہ ابن الیمان شامی لشکر کے امیر کے دل میں عام اشاعت کلام مجید کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفان خلیفہ الوقت کو اشاعت مصاحف پر متوجہ کیا۔ جس پر حضرت عثمانؓ نے ایک خاص جماعت کے انتہام سے چند مصاحف مصحف ابی بکرؓ سے حرف بحرف نقل کر کر کے بڑے بڑے اسلامی مرکزوں میں بھیج دیے۔ جس سے آئندہ اختلاف قرأت کی اصلاح ہو گئی۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ کہ خذیفہ نے قاری ابی بن کعب قاری ابن مسود کے شاگردوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابی کے شاگرد پڑھتے تھے۔ **وَلَا تَقْرَأُوا الْحَمْدَ إِلَّا بِمَا نَزَّلَ**۔ اور عبد اللہ بن مسود کے شاگرد پڑھتے تھے۔ **وَلَا تَقْرَأُوا الْحَمْدَ إِلَّا بِمَا نَزَّلَ**۔

اختلاف قرأت کیوں ہوا اور کب ہوا

ہجرت سے پہلے دس بارہ سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی زندگی میں جس قدر قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ یقیناً وہ ایک ہی لغت اور ایک ہی طرز پر لکھا۔ اور پڑھا جاتا تھا فتح مکہ کے بعد جب عرب کے تقریباً کل قبائل مشرف باسلام ہو گئے۔ تو اس وقت قرآن شریف کے پڑھنے میں ایک وقت دپیش آئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ قریش کے سوائے دوسرے عرب کے قبیلے بھی اگرچہ عربی النسل اور عربی زبان ہی کے ہونے والے ہی تھے۔ مگر ان کی بول چال اور لب و لہجہ میں کمیں کمیں محاورہ قرآن یعنی قریش کے محاورے اور ان کی روزمرہ سے اختلاف تھا۔ بعض قبائل کی لغت میں

ایسے الفاظ بھی تھے۔ جو محاورہ قریش میں نہ تھے۔ بلکہ ان کے قائم مقام دوسرے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ الغرض قائل عرب کے مختلف لب و لہجہ کے عادی لوگ جب مسلمان ہوئے۔ اور انہیں قرآن شریف کے پڑھنے کی تکلیف دی گئی۔ (کیونکہ ہر ایک مسلمان پر صرف فرضیہ نمازوں ہی کے پڑھنے کے لئے قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔) تو یکایک انہیں اپنے بچپن کے نختہ لب و لہجہ کو چھوڑ کر محاورہ قرآن یعنی قریش کی لغت میں قرآن شریف کا پڑھنا دشوار نظر آیا۔ اور حدیث العید ہونے کے باعث انہیں کچھ نہ کچھ اپنی خودداری کا لحاظ بھی تھا۔ لہذا خداوند عالم نے ان لوگوں کو آسانی دی۔ اور حکم ہوا۔ کہ فَاقْرَأْ مَا تيسَّرُ مِنْهُ۔ کہ جس محاورہ میں آسانی ہو۔ اس پر قرآن شریف پڑھ لیا کرو۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ دَقَّلَ الْبُوشَامَةُ عَنْ بَعْضِ الشَّيُوخِ اَنَّهُ قَالَ اَنْزَلَ الْقُرْآنُ اَفْكَا لِسَانِ قُرَيْشٍ وَمَنْ جَاوَرَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ لَفِظًا نَحْمُ اَبِيكُمْ لِلْعَرَبِ اَنْ يَقْرَؤَهُ بِلُغَاتِهِمْ اَلَيْسَ جَوْرًا عَادَلْتُمْ بِاسْتِعْمَالِهَا عَلَيَا اِخْتِلَافِهِمْ فِي الْاَلْفَاظِ وَلَا اِغْلَابَ وَلَكُمْ يُكْفَفُ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَلَا سَقَالٌ مِّنْ لُّغَتِهِمْ اَلَا لِحَاظِ اُخْرَى لِلْمُسْتَقَّةِ وَلِمَا كَانَ فِيهِمْ مِنَ التَّحَمُّلِ وَلِطَلَبِ تَسْهِيلِ نَفْسِ الْمُرَادِ وَكُلُّ ذَلِكَ مَعَ اتِّفَاقِ الْمُعْتَمَدِ۔

(ترجمہ ۸۸) ابوشامہ اپنے کسی بزرگ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔ ابتداً قرآن شریف کا نزول قریش کی زبان اور ان فصیح عربوں کے محاورہ پر ہوا تھا۔ جو قریش کی ہسا لگی ہیں۔ بٹے تھے۔ پھر دوسرے عرب کی قوموں کے لئے یہ اجازت دی گئی۔ کہ قرآن مجید اپنی اپنی لغت (محاورہ) میں جس کے استعمال کے وہ عادی ہیں۔ پڑھ لیا کریں۔ بوجہ ان کے اختلاف کے الفاظ میں اور اعراب میں۔ اور ان میں سے کسی کو مجبور نہ کیا گیا۔ کہ وہ اپنے بچپن کے نختہ محاورہ کو چھوڑ کر قریش کا محاورہ اختیار کرے۔ اس لئے کہ ایسا کرنا ان کے لئے دشوار تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاوروں کی حیثیت بھی تھی۔ اور اس سے معنوں کے سمجھنے میں اُن کے لئے

آسانی بھی تھی۔ اور یہ سب کچھ اتفاق سننے کے ساتھ تھا۔ یعنی یہ اختلاف محاورہ ایسے اختلافات نہ تھے۔ جن سے معنوں میں کچھ بھی فرق پڑتا ہو۔

اس پر ایک فہم نے اتنا اور اضافہ کیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا فتوے جواز قرأت لوگوں کی اپنی خواہش کی بنا پر نہیں دیا گیا تھا۔ تاکہ ہر شخص جس لفظ کو چاہے۔ اپنی زبان کے ہم معنی لفظ سے بدل لے۔ بلکہ اس بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی رعایت کی جاتی تھی۔ دراصل اسی اختلاف لب و لہجہ کا نام اختلاف قرأت ہے۔ اس کا مفصل بیان ہم آگے چل کر بحث سبع احرف میں کریں گے۔

مجموعوں میں قرأت کا اختلاف اور اس کے مفاسد غیر مالک عرب میں قرآن شریف کی تعلیم ہونے لگی۔ اسی قدر

اساتذہ قرأت کے اختلاف احرف سے عجمی قرآن خوانوں کی الگ الگ ٹولیاں بنتی گئیں۔ اور ساتھ ہی کشمکش بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک قاری کا شاگرد اپنے استاد کی قرأت کے سوا سے دوسروں کی قرأت کو غلط قرار دیتا۔ اور لوگوں کو اس کے ترک پر مجبور کرتا جس سے بعض لوگ حصرت و بے ہوشی اشعری کی قرأت کے پیرو ہو گئے۔ ایسے ہی بعض صرف عبداللہ بن مسعود کی قرأت کو صحیح جاننے لگ گئے۔ اور کچھ ابی بن کعب کی قرأت کو صحیح مانکر ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اس اختلاف قرأت نے رفتہ رفتہ ملک میں ایک مذہبی جوش پیدا کر دیا۔ جس سے آئندہ پیدا ہونے والے فسادات اور مشکلات کو محسوس کر کے حضرت خذیفہ ابن الیمان ایہ لشکر عراق نے خلیفہ وقت حضرت عثمان کے سامنے آکر اس بھیاں تک منظر کی تفصیل بیان کی۔ اور امیر المؤمنین کو اس طرف متوجہ کیا۔ کہ اگر فی الفور احرف کی اصلاح نہ کی گئی۔ تو بھٹوڑے ہی دنوں کے بعد نصاریٰ کی فتنہ جیل کی طرح مسلمانوں میں بھی کئی قرآن رواج پاجائیں گے۔ اور پھر اس فساد کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ عرب ہی میں باعتبار وسعت زبان احرف کے اختلاف کے باعث اکثر نغمیں ہوا کرتی تھیں۔ جن کے مفاسد کو نہ نظر رکھ کر قبل اس کے حضرت عمر بن خطاب نے بھی اپنے عہد خلافت میں غیر محاورہ قریش پر قرآن شریف

کے پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ اور قرآن کے نام فرمان جاری کر دیے تھے۔ کہ وہ محاورہ قریش کے سوائے اور کسی محاورہ پر قرآن شریف کی تعلیم نہ دیں۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔ کہ جب عثمان خطاب کو معلوم ہوا۔ کہ بصرہ میں عبد اللہ بن عمر خطاط فتویٰ بن مسعود لوگوں کو لغت پندیل پر قرآن پڑھاتے ہیں۔ تو آپ نے اُن کے نام فرمان جاری کیا۔ کہ لوگوں کو پندیل کی لغت پر قرآن مت پڑھاؤ۔ بلکہ صرف قریش ہی کے محاورہ پر قرآن پڑھاؤ۔ **فَأَقْرَأِي النَّاسَ بِلُغَةِ قُرَيْشٍ وَلَا تَقْرَأُ لَهُمْ بِلُغَةِ هَذِهِ بِلِغَةِ**

حذیفہ ابن الیمان کا واقعہ اس طرح ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ عن انس ابن مالک **إِنَّ حَذِيفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ لِيَأْزِي الشَّامَ فِي فَتْحِ أَرْمِينَةَ وَأَذْبِاجُجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْرَعُ حَذِيفَةَ اخْتِلَافَهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حَذِيفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ادْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَةِ فَاسْأَلْ عُثْمَانَ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسَلَ إِلَيْنَا يَا لَصُحُفٍ نَسْخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نُرْكِبُهَا إِلَيْكَ فَارْسَلَتْ بِهِ حَفْصَةَ إِلَى عُثْمَانَ - فَأَمَرَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ زُبَيْرٍ وَسَعِيدَ ابْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَرِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِهَذِهِ الْقُرَشِيِّينَ السَّلَاسَةُ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنْ الْقُرْآنِ فَاصْكُتُوا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نُنْزِلُ بِلِسَانِهِمْ فَأَفْعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ - كَرَّمَ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ فَارْسَلَتْ إِلَى كُلِّ أَحَدٍ بِمَصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا وَأَمَرَ لِيَسْأَلُوا مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مَصْحَفٍ أَنْ يَحْرِقَ**

(ترجمہ) انس بن مالک حذیفہ ابن الیمان سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حذیفہ بن الیمان حضرت عثمانؓ کے پاس آئے۔ اور ان دنوں وہ فتح آرمینہ میں اہل شام سے اور آذربائیجان میں اہل عراق کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ وہاں ان لوگوں کی قرات کے

اختلاف نے خدیفہ کو گھبرایا۔ پس وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ اے امیر المومنین! اس اُمت کی خبر لو۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں ایسا اختلاف کرنے لگیں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے اُمّ المومنین حفصہ کے پاس آدمی بھیجا۔ کہ صحیفے (یعنی مجموعہ کلام مجید جو حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں تیار ہوا تھا) بھیج دو۔ ہم اس کی نقیص صحیفوں میں کر لیں۔ پھر اصل صحیفے آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ام المومنین نے صحیفوں مصاحف عثمانی کے کاتب کو بھیج دیا۔ اور انہوں نے حضرت زید بن

ثابت - عبد اللہ بن زبیر - سعید بن العاص - عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا۔ پس ان لوگوں نے مصحف ابی بکر کو صحیفوں میں نقل کر لیا۔ ان کاتبوں میں زیادہ تر اعتماد سعید بن العاص پر تھا۔ اس لئے کہ ان کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ سے بہت مشابہ تھا۔

کتابت مصاحف حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں کاتبوں کو یہ ہدایت کی کہ متعلق ہدایات

تمہارا اور زید کا اختلاف واقع ہو۔ تو اس لفظ کو جس طرح قریش بولتے ہیں۔ لکھو۔ کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ جب مصاحف نقل ہو چکے۔ تو اصل صحیفے ام المومنین حفصہؓ کے پاس واپس کر دیئے گئے۔ اور ان نقل کئے ہوئے مصاحف میں سے ایک ایک مصحف اطراف ممالک میں بھیج دیا گیا۔ (یہ تمام مصاحف صرف محاذ قریش کی رسم تحریر پر لکھے گئے تھے)۔ اور حکم دیا۔ کہ اس قرآن مجید کے سوا جس صحیفہ یا مصاحف میں قرآن لکھا ہوا ہو۔ اس کو جلا دیا جائے۔ نہ تہی حضرت عثمانؓ کی اس کارروائی کو بعض لوگ معائب عثمانؓ سے شمار کرتے ہیں۔ اور ان پر احراق قرآن کا الزام لگاتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا جائے۔ تو ان کا یہ فعل نہایت ستھن ہے۔ کیونکہ ان اجزاء سے قرآن

شریف کی قرأت میں اختلافات کے بڑھنے کا خوف تھا۔ اور اکثر ان میں کے ایسے بھی تھے۔ جن کی رسم تحریر مصحفِ ابی بکرؓ کی رسم تحریر کے خلاف تھی۔ بعض میں اصل محاورہ قرآن کے سوائے دوسری قرأتوں کے الفاظ بھی درج تھے۔ غرض ان کی صحت قابلِ اطمینان نہ تھی۔ پس ایسی حالت میں جبکہ باتفاق اختیارِ اُمتِ رسالہ قرأتِ صحیحہ کے مطابق قرآن لکھ لیا گیا ہے۔ تو اس اختلافی مواد کا جلا دینا۔ قرآن اور نیز اُمت پر احسان کرنا تھا۔

انس بن مالک حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کوئی نیا کام فرماتے ہیں نہیں کیا۔ صرف یہی کیا۔ کہ قرأت میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر دیئے تھے۔ انہوں نے مستند صحابہؓ کے ہاتھوں سے اسی قرآن کو رواجِ ابوبکرؓ نے جمع کر دیا تھا۔ معتبر قرأت کے مطابق جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی۔ لکھوایا۔ چنانچہ نقل کے زمانہ میں جب کسی قرأت میں اختلاف ہوتا۔ تو بعض بعض صحابہؓ کو تین تین دن کے راستہ سے تصفیہ کے لئے بلایا جاتا تھا۔ اور مختلف فیہ آیت کی جگہ چھوڑ دی جاتی تھی۔ پھر جب معتبر ذریعہ سے وہ اختلاف طے ہو جاتا۔ تو اس آیت کو اس کی جگہ لکھ دیتے تھے۔

مصحف عثمانی میں اس مقام پر قابلِ غور دو امر ہیں۔ (۱) سبہِ احرف کی اجازت قابلِ غور دو امر ہیں منجانب اللہ ہوئی تھی۔ اسے کیوں ترک کیا گیا۔ اور حامیان و مروجین ائمہ قرأت مثل عبد اللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب و ہشام۔ و علی ابن طالب۔ سب کے سب کیوں خاموش رہے؟

(۲) مصحفِ ابی بکرؓ لغت قریش کے سوائے دوسرے حروف پر بھی شامل تھا یا کہ نہیں؟

جواب۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کارروائی (نقل مصاحف لغت قریش پر) میں تمام اہلِ صحابہ کرام کا متفق ہو کر شریک ہونا۔ اس امر کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ کہ صحابہ کرام اہلیتِ اجازت سبہِ احرف سے پورے پورے واقف تھے۔ انہیں

یقین تھا۔ کہ یہ اجازت محض فقی اور مقامی تھی۔ اور اس کی داعی ایک خاص ضرورت تھی
یعنی یہ اجازت محض ان لوگوں کے لئے تھی۔ جو قرآن شریف کو قریش کی لغت پر ادا
نہیں کر سکتے تھے۔ اور یا انہیں اپنے اپنے محاوروں کی محبت اس بات کی مانع تھی
اب جبکہ اسلامی برکات نے ہر قسم کی غلط حیثیت کو جملہ قبائل عرب سے محو کر دیا ہے
اور کلام الہی نے اپنے اس معجزے کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ اس کا ہر ایک کلمہ ہر
زبان پر بلا وقت جاری ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ عرب کے ہر ایک قبیلہ کا ہر ایک
قاری ایک ایک کلمہ قرآن کو ساتوں حرفوں پر بھی ادا کر سکتا ہے۔ علاوہ اس
کے فتوحات اسلامی کا دائرہ اپنی روز افزوں ترقی کے ساتھ غیر ممالک عرب میں
نهایت سرعت سے بڑھ رہا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے لوگ پڑھ رہے ہیں جن
کی مادری زبان عربی نہیں۔ جنہیں قرآن شریف کا پڑھنا محاورہ قریش و غیر محاورہ
قریش پر یکساں ہے۔ تو پھر ایسی حالت میں ان لوگوں کو خواہ مخواہ اختلاف قرأت
کے ابھار دینے کی کیا ضرورت ہے۔ لہذا مناسب ہے۔ کہ آئندہ قرآن
شریف اسی زبان پر پڑھا جائے۔ جو قرآن شریف کی اصل زبان (لغت) ہے
یعنی جس محاورہ پر وہ ابتدائے نازل ہونا شروع ہوا۔ جو رسول عربی قریشی
کی زبان ہے جس پر نبی کریمؐ نے پڑھایا اور لکھوایا۔ جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام
نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری دورِ عرضہ اخیرہ لکھا ہے۔ پس جس طرح
ایک مقامی اور وقتی ضرورت سببہ احرف کی وسعت کی داعی تھی۔ اسی طرح اب
وقتی فسادات اس کی ترک کے داعی ہیں۔ لہذا اجلہ صحابہ کرام نے باتفاق بحث
یہ تسلیم کر لیا۔ کہ قرآن شریف کی کتابت آئندہ صرف محاورہ قریش ہی پر ہو کرے
جو قرآن مجید کا اصلی محاورہ اور اس کی لغت ہے۔

جواب ہر دوں۔ نقل مصاحف عثمانی کے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں۔ ان کے
مطالعہ سے اس بات کا پورا پتہ چل سکتا ہے۔ کہ مصحف ابی بکرؓ صرف محاورہ قریش ہی
پر جمع ہوا تھا خصوص اس کا متن قریشی محاورہ کے سوائے کسی اور حرف پر

شامل نہ تھا۔ اس لئے کہ اگر وہ مصحف تمام احرف یا بعض کا جامع ہونا تو یہ امریت ہی مشکل تھا۔ کہ اجلہ صحابہ کرام کتاب اللہ کے ایک حصہ کے حذف کر دینے کو جائز قرار دیتے۔ اگر مصحف ابی بکرؓ ان تمام تحریروں کا جامع تھا۔ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اہتمام سے لکھوایا تھا۔ تو ایک نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہ کرامؓ اسی وقت جان دے دینے پر آمادہ ہو جاتے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے حروف کے حذف کر دینے کو سرگز گوارا نہ کرنے کیونکہ قرآن شریف کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو ایک موانعت تھی۔ اس کا ایک ایک حرف ان کے خونِ جگر سے پلا ہوا تھا۔ انہیں یقین تھا۔ کہ اس کے ایک ایک نقطہ کے نیچے برکات الہی کا بیشمار خزانہ بھرا ہوا ہے۔ یہ ایک خاص تحفہ کرامت ہے۔ جس کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اس امت کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ ایسے یقینی الفاظ کا خواہ خواہ حذف کر دینا انہیں کیونکر گوارا ہو سکتا تھا۔ اور ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت فرمائے کچھ زیادہ برس بھی نہیں گزرے تھے۔ اس وقت ایسے بہت سے صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے بذاتِ خود بلا واسطہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھا۔ اور اسے یاد کیا تھا۔ اور ایسے بھی بہت سے تھے۔ جن کے سامنے رسول کریمؐ نے اپنے خاص اہتمام سے آیات قرآنی لکھوائی تھیں۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ سے صرف تیرہ سال بعد کا زمانہ ہے۔ پس اس معاملہ میں تمام صحابہ کرامؓ کا خاموش رہنا اس امر کی صریح دلیل ہے۔ کہ مصحف ابی بکرؓ صرف قریش ہی کے حرف کا جامع تھا۔ اور اس میں کسی دوسرے قبیلہ کے محاورہ کا کوئی ایک حرف بھی داخل نہیں تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے اس حکم کتابت (جو انہوں نے کتابتِ مصاحف کے بارے میں کاتبانِ مصاحف سے فرمایا تھا۔ کہ اختلاف کتابت میں قریشی محاورہ کی رسم تحریر کو ترجیح دیں گی) سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ مصحف ابی بکرؓ میں خلاف محاورہ قریش کوئی حرف نہیں تھا۔ اس لئے کہ ان کی تاکید ”وَحَافِظُوهُ لَعَلَّہٗ اِنَّا نَہِمُ“ سے اسی بات کی تاکید سمجھی

جاتی ہے۔ کہ تنزیل کے حرف کی کتابت نزول کے مطابق ہونی چاہئے۔ یعنی جب قرآن کا نزول محاورہ قریش پر ہے۔ تو اس کی کتابت بھی قریش ہی کے محاورہ کی رسم تحریر کے مطابق ہو۔ تاکہ نزول اور کتابت تنزیل میں مطابقت رہے۔ اور یہ کہ قریشی حرف کے سوائے دوسرے حروف تنزیل کے حکم میں نہیں۔ بلکہ وہ صرف وقتی ضرورت کے لئے جائز رکھے گئے تھے۔

تاریخ سے بھی اسی بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ مصحف ابی بکر صرف محاورہ قریش ہی پر جمع ہوا تھا۔ اور رسول کریمؐ نے جو آئینیں دسورتیں اپنے خاص اہتمام سے لکھوائی تھیں۔ وہ سب کی سب ایک ہی حرف یعنی محاورہ قریش ہی پر لکھوائی تھیں۔ کیونکہ اس اجازت (اجازت سبہ احرف) کا زمانہ فتح مکہ کے بعد کا ہے جس سے یہ توصاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمام مکی سورتیں جو نصف کلام مجید کے برابر ہیں۔ سببہ احرف کی اجازت سے پہلے تمام لکھی جا چکی تھیں۔ اور اس وقت کلام الہی کا نزول فقط لسان قریش ہی پر ہوا کرتا تھا۔ (کیونکہ ابھی وسعت احرف کے دواعی پیدا ہی نہ ہوئے تھے) اور کاتبان وحی بھی تمام قریشی ہی تھے۔ تو پھر اس کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ قریشی محاورہ کتابت کے سوائے بھی آیات لکھی جاتی ہوں۔ نہیں۔ بلکہ قیاس یہی چاہتا ہے۔ کہ اس وقت آیات منزلہ کی کتابت محاورہ قریش ہی کی رسم تحریر پر ہوتی تھی۔ اور ہجرت کے بعد مدنی سورتوں کے کاتب وحی زیادہ تر حضرت زید بن ثابت مدنی ہیں۔ جنہوں نے لغت قریش پر قرآن سیکھا۔ اور اسی محاورہ پر اسے یاد کیا۔ پھر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا تمام مکی حصہ محاورہ قریش کی رسم تحریر پر لکھا گیا ہے۔ تو انہیں کیا ضرورت تھی۔ کہ خواہ مخواہ وہ اس اصلی محاورہ کتابت کلام مجید کے خلاف اپنی تحریر کی ایک علیحدہ رسم قرار دیتے۔

اب رہا یہ امر کہ سببہ احرف کی اجازت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کی کتابت کے وقت آیا کاتب وحی کو یہ تاکید کر دی گئی تھی۔ کہ وہ ایک آیت کو

محاورہ قریش پر لکھ لینے کے بعد اسی آیت یا کلمہ کو دوسرے چھ قبائل کے محاورہ کی رسم تحریر بھی لکھا کرے۔ یعنی ایک کلمہ جس طرح ساتوں قبائل کی طرز ادا میں مختلف تھا۔ اسی طرح وہ کتابت میں بھی ضبط کر لیا جاتا تھا یا نہیں :-

سبعہ احرف کی رعایت پر بھی ہم کہتے ہیں کہ ہمیشہ قرآن شریف کی کتابت ایک کوئی آیت نہیں لکھی گئی۔ یہی طرز پر قریشی محاورہ میں ہوئی ہے۔ کسی روایت میں سبعہ احرف کی رعایت پر کسی آیت یا سورت کے لکھنے کا حکم یا اس کے متعلق کوئی ہدایت یا تاکید نہیں پائی جاتی۔ اگر احرف کی رعایت پر ہر ایک آیت لکھی جانی شروع کر دی جاتی۔ تو قرآن کریم کی رسم کتابت دو فرقہ ہو جاتی۔ یعنی سبعہ احرف کی اجازت سے پہلے جو قرآن شریف لکھا جا چکا تھا۔ اس کی کتابت کا ایک علیحدہ اصول و طرز ہوتا۔ اور اس اجازت کے بعد کی نازل شدہ آیتوں کی رسم تحریر اور کتابت دوسری طرز پر ہوتی۔ اور یہ بڑا بھاری نقص ہے۔ جو اس مبارک کتاب کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ شروع ہی سے اس مبارک کتاب کی جمع کا کام انسانی طاقت کے اہتمام میں نہیں دیا گیا۔ بلکہ خود خداوند عالم نے اس کی جمع کا وعدہ فرمایا ہے۔ اِنَّا عَلَيَّ جَمَعْنَاهُ۔ اس کا جمع کرنا ہمارا کام ہے۔ اور ہمارے ذمہ پر ہے) پس چونکہ اس کی تحریر ابتداء ہی سے وحی الہی کی تعلیم کے مطابق ہوئی۔ لہذا اس میں کسی قسم کا خلل و نقص آنا محال ہے۔ ہم آگے چل کر سبعہ احرف کی بحث میں اس بات کو ثابت کر دیں گے۔ کہ یہ اجازت کب اور کہاں ہوئی اور یہ کہ اس اجازت سے پہلے سارا یا قریباً سارا کلام مجید نازل ہو چکا تھا۔ اور لکھا بھی جا چکا تھا۔ ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ سبعہ احرف کی اجازت کے بعد کسی صحابی نے اپنے طور پر آیتوں اور سورتوں کے لکھنے میں محاورہ قریش کی رعایت نہ کی ہو۔ اور ان آیتوں کو تمام یا بعض حروف پر لکھ لیا ہو۔ مگر ان کی یہ تحریر چونکہ کتابت مصحف امام کے برخلاف ہے۔ قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اسے غلط کہنا انشعب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ حکم کہ ”مصحف امام کے سوا سب تمام دوسرے مصحف جس کسی کے پاس ہوں۔ وہ سب جلا دیئے جائیں۔ ایسی ہی غلط تحریروں کے مروج ہو جانے کے خوف پر مبنی تھا۔“

الغرض حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مصحفِ ابی بکرؓ کو منگوا کر بارہ کاتب نقل مصاحف پر معین فرمائے۔ جن کے سرور زید بن ثابتؓ نامزد ہوئے اور اس کی نگرانی کا اہتمام بذاتِ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لیا۔ ان کاتبوں میں تین نامور قریشی کاتب یہ تھے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ۔ عبد الرحمن بن الحارثؓ

وہ مقامات جہاں
مصحف عثمانی بھیجے گئے
بن ہشام۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ پانچ۔ اور دوسری میں
یہ۔ کہ سات مصحف نقل ہوئے۔ جو مقامات ذیل میں بھیجے
گئے۔ ۱۔ مکہ (۲) شام (۳) بحرین (۴) یمن (۵) مصر (۶) بصرہ و کوفہ اور ایک مصحف
مدینہ میں رکھا گیا۔ جس کا نام امام تھا۔

پادری ولیم سیر لکھتا ہے۔ کہ وہ قرآنِ امامِ قطیف کی جامع مسجد میں موجود تھا۔ اور
جب وہاں سلطنت اسلامی کو زوال ہوا۔ تو وہ خالص (دارِ اختلافِ مراکش) میں منتقل کر
دیا گیا۔ ایک اور صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ”عامل بصرہ کے پاس جو کلام مجید تھا۔ وہ اب
روس کے قدیم دارِ اختلاف کے کتب خانہ اسلامی میں ہے۔ اور وہ بخارا سے لایا گیا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کارروائی (نقلِ مصاحف) پر

تمام صحابہؓ میں صرف ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ایک روایت میں آیا
ہے۔ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی اس کارروائی (نقلِ مصاحف) پر اپنی ناراضگی کا
اظہار کیا ہے۔ اور وہ اس مجلس میں شریک نہیں تھے جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں
نقلِ مصاحف کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ وہ روایت یہ ہے:-

ترمذی یہ ہے۔ اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَرِهَ لَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ نَسْخَ الْمَصَاحِفِ
وَقَالَ لِمَخْشَرِ الْمَسْلُوبِينَ اُعْزَلْ عَنِ نَسْخِ الْكِتَابِ بَدَلُ الْمَصَاحِفِ وَيَتَوَلَّاهَا
رَجُلٌ مَا لِلَّهِ لَقَدْ اسْتَنْتُ وَأَنْتَ لَفِي صُلْبِ رَجُلٍ كَاظِمٍ

(ترجمہ)۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے نسخِ مصاحف پر زید بن ثابتؓ کی ماموری کو نامناسب

سمجھ کر یہ کہا۔ اے مسلمانو! تعجب ہے۔ کہ مصاحف کی نقل پر مجھے چھوڑ کر ایک ایسے شخص کو مامور کیا گیا ہے۔ کہ وائٹ میں اسلام سے مشرف ہو چکا تھا۔ اور وہ شخص ابھی کافر اب کی بیٹھ میں تھا۔

ابن مسعود کے اعتراض تمام صحابہ کرام میں سے صرف ایک ہی رعایت ایک ہی شخص پر ایک نظر سے آئی ہے۔ اس سے بھی جو کچھ کہ ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ پر یہ بات ناگوار گذری۔ کہ مصنف کے نقل کرنے پر زید کو مامور کیا گیا۔ اور انہیں اس خدمت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اور اپنی افضلیت اپنے اسلام کی سبقت اور اپنی دراز عمری پیش کرتے ہیں۔ اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تاہم اس سے حضرت عثمان کی اصل کارروائی پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ قریش کا تبوں کے ہوتے ہوئے زید بن ثابت جو مدنی ہیں۔ مصاحف کی نقل پر کیوں مامور کئے گئے۔ وہ یہ نہیں کہتے۔ اور نہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ صرف لغت قریش پر مصاحف کیوں نقل کرائے گئے ہیں۔ اور دوسرے حروف کی رعایت کتابت میں کیوں نہیں کی گئی۔

اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اجلہ صحابہ کرام اور مامور اساتذہ قرأت سے ہیں۔ زید سے عمر میں بڑے اور اسلام میں ان سے سابق بھی ہیں۔ لیکن یہ ساری باتیں ایسے امور نہیں ہیں۔ کہ ان سے کتابت وحی میں زید سے افضلیت ثابت ہو سکے حضرت زید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مدنی زندگی کے منتخب شدہ امین کا تب وحی ہیں۔ مصحف ابی بکر کی جمع کا شرف بھی انہی کو حاصل ہے۔ پھر ایسے مقبول سمجھے ہوئے کا تب وحی کا انتخاب ایسے موقع پر نقل مصاحف کے لئے کوئی بے جا انتخاب نہیں ہے۔ بلکہ اس مبارک خدمت کے لئے ہی شخص موزون تھے۔ حضرت عبد اللہ کے اعتراض کو اگر غنائش ہے۔ تو مشاویرین جمع مصحف ابی بکر پر ممکن ہے کیونکہ آپ خود اس وقت مجلس مشاویرین جمع میں شامل تھے جس وقت کہ حضرت ابوبکر نے زید کو جمع مصحف پر مامور کیا تھا۔ لیکن اس وقت یعنی مصاحف عثمانی کی نقل میں

حضرت عبداللہ کو زید پر ترجیح نہیں ہو سکتی ؟

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ حضرت عبداللہ کے ساتھ کسی اور صحابی کا بھی اتفاق ہے ؟ اور ان کے اس اعتراض کے ساتھ کسی اور شخص کی آواز بھی سنائی دیتی ہے یا نہیں ؟ اور یہ کہ صحابہ کرام کی طرف سے حضرت عبداللہ کو اس اعتراض پر کیا جواب ملا ؟ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کسی صحابی نے حضرت عبداللہ کے ساتھ اس معاملہ میں اتفاق کیا ہو۔ بعض روایات میں آیا ہے۔ کہ انہوں نے یہ بھی کوشش کی تھی۔ کہ اگر حضرت عثمانؓ کے لوگ صحیفے لینے چاہیں۔ تو انہیں نہ دیں۔ مگر ان کی اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اور اجلہ صحابہ کرام کی طرف سے جو کچھ عبداللہ بن مسعود کو اس کے اعتراض کے بارے میں ابن مسعود کے اعتراض پر صحابہ کی ناراضگی کے راوی ابن شہاب سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ كَرِهْتَ ذَلِكَ مِنْ مَقَالَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ جَاءَ مِنْ أَفْضَلِ الصَّحَابَةِ۔

یعنی عبداللہ بن مسعود کے ان الفاظ کو جو انہوں نے زید بن ثابت کے بارے میں بولے ہیں۔ اجلہ صحابہ نے ناپسند کیا۔ اور بُرا سنایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی عدم شرکت

دراصل حضرت عبداللہ بن مسعود کی عدم شرکت مجلس نقل مصاحف کا سبب یہ ہے کہ ان دنوں آپ مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے۔ بلکہ کوفہ میں ایک جماعت کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اگر آپ کو اس وقت بلایا جاتا۔ تو ایک عرصہ تک نقل مصاحف کی کارروائی معرض التوا میں پڑی رہتی۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن مسعود کے اعتراض کا تعلق جو کچھ کہ ہے حضرت زید سے ہے۔ حضرت عثمانؓ یا ان کی کارروائی سے اسے کچھ تعلق نہیں ؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں - عبد عثمان میں جب مصاحف نقل کر دیئے گئے - تو تمام
تمام نقل مصاحف میں صرف نقل میں قریشی کاتبوں نے زید سے کہیں بھی اختلاف
ایک لفظ میں اختلاف ہوا نہیں کیا - صرف ایک لفظ (تابوت) کے لکھنے میں اختلاف

واقعہ ہوا - سعید اور عبد الرحمن کہتے تھے - صحیح قرأت تابوت ہے - اور زید اُسے
 (تابوت) کہتے تھے - صحابہ سے اس کی تصحیح کی گئی - آخر حضرت عثمان بن عفان
 نے یہ فیصلہ کیا - کہ قریش تابوت بولتے ہیں - اس لئے یہی صحیح قرأت ہے - لہذا وہ
 ایسے ہی لکھ لیا گیا

اس ایک اختلاف کے سوائے اور کسی اختلاف کا تذکرہ ذخیرہ احادیث میں
 نہیں پایا جاتا - اس حدیث سے یہ بات بوضاحت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے - کہ مصحف
 ابی بکر شرف محاورہ قریش ہی پر لکھا ہوا تھا - اور اس میں کسی دوسرے محاورہ کا کوئی
 ایک لفظ بھی شامل نہیں تھا - ورنہ اس کا تذکرہ روایات میں ضرور پایا جاتا

مصحف ابی بکر یا مصاحف عثمانی کے سوائے تین اور تالیفیں

روایات میں ایسی تین تالیفوں کا ذکر آتا ہے - جن کی سورتوں کی ترتیب مصحف امام
 کی ترتیب سورتوں سے مختلف بتائی جاتی ہے - وہ تین تالیفیں یہ ہیں (۱) تالیف عبد اللہ بن
 مسعود (۲) تالیف ابی بن کعب - (۳) تالیف علی بن ابی طالب - اب ہم ہر ایک تالیف
 کی مختصر کیفیت بیان کرتے ہیں :-

تالیف عبد اللہ بن مسعود (۱) تالیف عبد اللہ بن مسعود - ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں - کہ ہر آیت
 نازل ہوتے ہی تحریر میں ضبط کر لی جاتی تھی - اور دوسرے حاضرین صحابہ میں سے
 کوئی اسے یاد کر لیتا - اور کوئی اپنے طور پر اُسے لکھ بھی لیتا تھا - اسی طرح حضرت
 عبد اللہ بن مسعود بھی اپنے طور پر آیات و سورتیں جمع کرتے رہتے تھے - پھر جب آپ نے
 سورتوں کو سلسلہ وار جمع کیا ہے - تو اس میں اس ترتیب سورتوں کا لحاظ نہیں کیا جس
 پر حفاظ صحابہ کا تعامل تھا - اور جس ترتیب پر وہ مصحف ابی بکر میں جمع ہوئے ہیں -

ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ عبد اللہ بن مسعود اس ترتیب سُوْرے سے ناواقف تھے۔ جس پر عام صحابہ کا تعامل تھا۔ اور جس پر وہ خود بھی قرآن شریف دُہرایا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ نے ستر سورتیں بلا واسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی تھیں۔ اور یہ کہ اس قسم کی تالیف سے ان کا کیا مطلب تھا۔ قیاس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ انہوں نے اس ترتیب پر سورتوں کو جمع کیا ہے۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد وغیرہ نمازوں میں سورتوں کو پڑھا ہے۔ چنانچہ اپنی تالیف میں انہوں نے ان بیس سورتوں کو ویسے ہی ترتیب وار لکھا ہے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تہجد کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان میں دو سورتیں حُسم سے شروع ہوتی ہیں۔ اور اٹھارہ قرآن شریف کی آخری منزل کی چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں جن کو مفصل کہتے ہیں۔ یہ مفصل سورتیں سورہ ق سے شروع ہوتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا۔ کہ اکثر اوقات تہجد کی نماز میں یعنی تہجد کی دس رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت میں دو دو سورتیں ملا کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال اس سے ان کا کچھ ہی مطاب ہو۔ ان کی تالیف میں سورتوں کی ترتیب مصحف امام کی ترتیب سُوْرے سے مختلف ہے۔ علاوہ اس کے ان کی تالیف میں سورہ فاتحہ و معوذتین بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ روایت احمد میں ہے: "أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ لَا يَكْتُبُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي مِصْحَفِهِ" کہ عبد اللہ بن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھا کرتے تھے دو سنی روایت میں ہے۔ "كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ عَنْ مِصْحَافِهِ وَيَقُولُ إِنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ" کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں سے جھیل ڈالتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ یہ دونوں معوذتین (کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔ حالانکہ تمام صحابہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کے جزو قرآن ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایک شخص بھی ان کے ساتھ اس بارے میں متفق نہیں ہوا؟

قاضی باقلانی ابن مسعود کی اس کارروائی کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ ابن مسعود نے

معوذتین کے جزو قرآن ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہی کیا۔ کہ ان کو قرآن کے اندر نہ لکھا جائے۔ بہر حال تالیف ابن مسعود ایک شخص کی ذاتی رائے کا نمونہ ہے۔ اور وہ مصحف امام فاضل ترین جماعت صحابہ کی متفقہ کوشش اور ان کی جانفشانی تحقیق کا تیار کیا ہوا مصحف ہے۔ لہذا ایسی تالیف مصحف الی بکرؓ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی؛

تالیف ابی بن کعب دوسری تالیف مصحف ابی بن کعب۔ اس تالیف اور مصحف

امام میں بلحاظ ترتیب آیات و سورتیں اختلاف نہیں۔ فرق یہ ہے کہ مصحف ابی میں دو سورتیں حُفْد و خُطْع کے نام سے زائد درج ہیں۔ اور مصحف امام میں یہ دونوں نہیں۔ حُفْد اور خُطْع دعائے قنوت کے دو جملے ہیں۔ یہ وہ دعائیہ دو جملے ہیں۔ جن کو مسلمان ہر روز غارِ رات کی نماز وتر میں پڑھا کرتے ہیں۔ یہ دعا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سکھائی۔ خود بھی پڑھی۔ اور صحابہ کو بھی وتر کی نماز میں پڑھنے کی ہدایت فرمائی؛

حُفْد و خُطْع دعائے قنوت کے دو جملے ہیں۔ اور وہ اس طرح ہیں :-

اللَّهُمَّ إِنَّا لَسْتَ عَيْنُكَ وَ
لَسْتَ خَفِيُّكَ وَلَوْ مِنْ بَيْنِكَ وَ
نَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِي
عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ
وَلَا نَكْفُرُكَ وَنُحْلِعُ وَ
نُتْرِكُكَ مَنْ لَيْفَعُكَ

اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور تیری ہی حفاظت طلب کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تیرے ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور تیری نیک نیت کرتے ہیں۔ اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں۔ اور تیری ناشکری نہیں کرتے۔ اور جو تیری نافرمانی کرتا ہے۔ ہم اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسے چھوڑتے ہیں؛

اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے لئے غار پڑھتے ہیں۔ اور سجدہ کرتے ہیں۔ اور تیری طرف ہی جاگ کر آتے ہیں۔ اور تیری خدمت

اللَّهُمَّ يَا أَيْكَ نَعْبُدُ فَلَا
نُصْنِي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْأَلُ
وَنُحْفِدُ وَنَرْجُو أَرْحَمَكَ

وَحَشْشَىٰ عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ
بِالْكَفَّارِ مُلْحِقٌ ۖ

میں حاضر ہیں۔ اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں
اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ تیرا عذاب
کافروں کو پانے والا ہے۔

انرض اور ہر ہشمار صحابہ کرام کی شہادت موجود ہے۔ کہ حقد و خلع دعائیں مجھے ہیں
اور جزو کلام مجید نہیں۔ اور ہر ایک تنہا حضرت اُبی ان کو جزو قرآن مجید قرار دے
کر دو سورتیں بتاتے ہیں۔ لہذا اتنے صحابہ کے برخلاف یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ
وہ سب غلطی پر ہوں۔ بلکہ اس میں حضرت اُبی کے خیال ہی کی غلطی ثابت ہوتی
ہے۔

مصحف علی بن ابی طالب (۳) تیسری تالیف مصحف علی بن ابی طالب۔ ایک حدیث
میں اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے طور پر ایک مصحف
لکھا ہے۔ روایت اس طرح پر ہے۔ کہ عہد ابوبکر رضی اللہ عنہ میں حضرت ابوبکرؓ سے
کہا گیا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی ناراضگی کے باعث دربار خلافت میں
تشریف فرما نہیں ہوتے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو بلوا بھیجا۔ جب حضرت
علیؓ آئے۔ اور ان سے ماجرا پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ
کی وفات کے بعد میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ میں اس وقت تک آرام نہ کرونگا۔ بروایت
دیگر گھر سے باہر نہ نکلونگا۔ جب تک کہ میں قرآن جمع نہ کر لوں گا۔ حضرت صدیق رضی
نے فرمایا۔ یہ اچھا کام ہے۔ لیکن اس کے بعد کوئی تالیف مصحف علیؓ کے نام سے
کسی عہد میں قوم کے سامنے پیش نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ
نے کسی مجلس میں یہ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ میں نے بھی کوئی مصحف جمع کیا ہے۔ اگر آپ نے
کوئی مصحف لکھا ہوتا۔ تو اس کے اظہار کا پہلا موقع مصحف ابی بکرؓ کی جمع کا وقت تھا۔
جبکہ بحکم خلیفہ الوقت تمام صحابہؓ سے وہ صحائف جمع کئے گئے تھے۔ جن میں متفرق طور
پر آئینیں اور سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اور اس اہتمام میں خود حضرت علی کرم
اللہ وجہہ بھی شریک تھے۔ کسی روایت میں ذرا برابر بھی اس مضمون کا پتہ چلتا

نہیں۔ جس میں حضرت علیؑ کی طرف سے جمع مصحفِ صدیقؑ کے وقت ناراضگی یا اختلاف کا ذکر ہو۔ پھر دوسرا موقع اس کے اظہار کا عہد عثمان تھا۔ جس میں قرآن شریف کے بہت سے نسخے لکھوائے گئے۔ اور اطرافِ ممالک میں بھیج کر یہ حکم دیا گیا کہ جلد اہل اسلام مصحفِ امام کی پیروی کریں۔ حالانکہ اس وقت بھی حضرت علیؑ بغیر جامع قرآن میں شریک رہے ہیں۔ اور آپؑ نے عام صحابہؓ سے کوئی مخالفت ظاہر نہیں کی۔ اس کے بعد اس کے اظہار کا تیسرا موقع عہد علوی تھا۔ جس میں خود حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے اُمت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اور مخالفانِ خلافت سے جنگ کرنے میں اپنی ساری طاقت خرچ کی تھی۔ اگر آپؑ کے پاس کوئی مصحفِ کامل ہوتا۔ جو مصحفِ عثمانی کے خلاف تھا۔ تو اس کی اشاعت ایسے وقت میں لازمی اور ضروری تھی۔ ممکن ہے۔ کہ بعض خود پسند آپؑ کے (مصحفِ علوی) کی تکذیب کرتے۔ مگر آپؑ کا کام اس کے اظہار کا تھا۔ کم سے کم اتنا تو ضرور کرتے۔ کہ حضرت عثمانؓ کی طرح مصحفِ حقہ کی نقل کر کے چند نسخے شائع کر دیتے۔ لوگ اس پر عمل کرتے۔ خواہ نہ کرتے لیکن اس کے برخلاف ایسے وقت میں بھی آپؑ نے کسی مصحف کو ظاہر نہیں کیا۔ نہ ہی مصحفِ عثمانی کی تکذیب کی۔ بلکہ خود بھی اسی مصحفِ عثمانی پر عمل کیا۔ اور لوگوں کو بھی اسی مصحف پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے بھی اس کو ظاہر نہیں کیا۔

ان واقعات پر نظر ڈالنے سے صراحت معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے کوئی تالیف نہیں فرمائی۔ ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ آپؑ کے دل میں جمع مصحف کا خیال پیدا ہوا ہو۔ اور اس پر کچھ لکھا بھی ہو۔ لیکن ادھر جب تمام صحابہؓ نے اپنی متفقہ کوشش سے جمع مصحف کا کام شروع کر دیا۔ اور ہر ایک آیت و سورت کی بکمال دقت نظر تنقید و تصحیح ہونے لگی۔ تحریر و حفظ آیات پر شہادتیں گزرنے لگیں۔ اور اجلہ صحابہ کرام کی ایک سرگرم جماعت (جس کے ممبر خود حضرت علیؑ بھی تھے) کے اہتمام سے مصحف میں ایک ایک آیت جمع ہونے لگی۔ تو ضرور ہے۔ کہ آپؑ نے جمع مصحف کا کام ملتوی کر دیا ہوگا۔

نفع الباری میں ایک رعایت ہے کہ "عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ اعْظُمُ النَّاسُ فِي الْمَصَاحِفِ اجْبَاءً ابُو بَكْرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى ابْنِ بَكْرٍ هُوَ أَقْلُ مِنْ جَمْعِ كِتَابِ اللَّهِ" یعنی قرآن شریف کے جمع کرنے والوں میں سب سے زیادہ اور بڑے درجے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو۔ وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن شریف جمع کیا۔ اس کے بعد حب علیؓ ونبض معاویہ کی جب آگ بھڑک اٹھی۔ تو بعض لوگ حضرت عثمانؓ کے اس فعل کے متعلق کچھ کہنے لگ گئے تھے۔ لیکن جب حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے سنا۔ اور آپ کو کیفیت واقعہ معلوم ہوئی۔ تو فرمایا۔ ابن داؤد کہتے ہیں :-

قَالَ عَلِيٌّ لَا تَقُولُوا فِي عُثْمَانَ إِلَّا خَيْرًا خَوَّلَ اللَّهُ مَا فَعَلَ الَّذِي فِي الْمَصَاحِفِ إِلَّا عَنِ مِلَّةٍ وَمَتْنًا - قَالَ مَا تَقُولُونَ فِي هَذِهِ الْقِرَاءَةِ فَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ بَعْضَهُمْ يَقُولُ إِنَّ قِرَاءَتِي خَيْرٌ مِنْ قِرَاءَتِهِ وَهَذَا يَكَادُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا قُلْنَا فَمَا تَرَى قَالَ أَسْرَى أَنْ يَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى مَعْصِيَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَا تَكُونُ فِرْقَةً وَإِخْتِلَافًا قُلْنَا نَعَمْ مَا رَأَيْتُ

ابن داؤد سوید بن غفلہ سے روایت کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا عثمانؓ کے بارے میں کلمہ خیر کے سواے کچھ نہ کہو۔ واللہ انہوں نے جو کچھ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کیا۔ وہ ہماری ایک مستحب کثیر جماعت کے مشورہ سے کیا ہے۔ انہوں نے ہم سے کہا۔ تم لوگ اس قرأت میں کیا کہتے ہو۔ میں نے سنا ہے۔ کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ میری قرأت تمہاری قرأت سے اچھی ہے۔ اور یہ بات قریب قریب کفر کے ہے۔ ہم نے کہا۔ پھر تمہاری کیا مرضی ہے؟ عثمانؓ نے جواب دیا۔ یہ مناسب ہے۔ کہ تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے۔ تاکہ پھر کوئی فرقہ و اختلاف نہ رہے۔ ہم نے کہا۔ تمہاری رائے بہت عمدہ ہے۔

ہمارے دعوے کے ثبوت میں یہی ایک ہی روایت کافی ہے۔ - باقی حضرات

شیعہ کے خیالات کی تردید میں ہم پادری ولیم سیور کے فیصلہ کی چند سطریں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

مصنف عثمان کے متعلق پادری سیور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ و
پادری ولیم سیور کی رائے) سلم میں لکھتا ہے :-

اس بات کو تسلیم کر کے کہ ہمارے ہاتھوں میں بلا تغیر و تبدل وہی نسخہ موجود ہے۔ جو حضرت عثمانؓ نے شائع کرایا تھا۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا یہ نسخہ قرآن کا زید دالے قرآن کے ساتھ سوائے خفیف اصلاحات کے بالکل مطابق ہے۔ اس بات کے ماننے کے لئے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے کسی پرانی روایت اور معتبر حدیث سے ذرہ بھر شک کرنے کی وجہ پیدا نہیں ہوتی۔ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دعوے کی تائید میں قرآن میں ایک ذرہ برابر تصرف کیا ہو۔ اس میں شک نہیں۔ کہ متاخرین شیعہ نے غلطی سے یہ بات گھڑ رکھی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ نے بعض سورتیں اور بعض آیتیں عمدہ جرح قرآن میں کر دی تھیں۔ اور وہ سورتیں اور آیتیں ایسی تھیں۔ جو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے دعاوی کی مؤید تھیں۔ لیکن شیعوں کی یہ رائے بالکل اعتبار کے قابل نہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کا نسخہ قرآن تیار ہوا۔ تو علیؓ کے پیروؤں اور بنو امیہ میں ابھی کوئی ظاہری اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور انھوں نے وحدۃ اسلامی میں کوئی فرق واقعہ نہیں ہوا تھا۔ (حضرت علیؓ کے دعاوی ابھی تک منصفہ شہود میں آئے ہی نہ تھے۔ کوئی ایسی غرض خاص طور پر غور نہیں آتی۔ جس نے ایسے وقت میں عثمانؓ کو ایسے مکروہ اور سیاہ گناہ کے ارتکاب پر آمادہ کیا ہو۔ جو مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔ پھر سوائے اس کے جب عثمانؓ نے قرآن جمع کر کے اس کو مستند طور پر شائع کیا۔ تو وہ ایسا زمانہ تھا۔ کہ جبکہ ابھی نہرا ایسے لوگ زندہ موجود تھے۔ جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن کو سسکے حفظ کر لیا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی سورت یا آیت ایسی ہوتی۔ جو علیؓ کی دعاوی کی مؤید تھی۔ تو ضرور تھا۔ کہ وہ ہزار لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی خصوصاً جو علیؓ کے ساتھ خاص اخلاص و حلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں ایسی باتیں تھیں۔ کہ ان سے اصل قرآن میں کسی قسم کے تصرف و تغیر

کا دخل پانا ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے علاوہ (حضرت عثمانؓ کے فوت ہوتے ہی حضرت علیؓ کے خیر خواہوں کی جماعت کا غلبہ ہو گیا۔ اور ایسی آزردہ گاہت حاصل کر لی۔ کہ ان کو خلیفہ بنا دینے میں کامیاب ہو گئی۔ کیا یہ گمان صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ جب اس طرح کی ان کو دولت و قوت مل گئی تھی۔ تو اس وقت وہ اس ناقص قرآن شریف کے رواج کی اجازت دے رکھتے۔ اور ناقص بھی ایسا کہ ان کے اپنے پیشوا علیؓ کے دعووں کی آیات و سورتوں کے اندراج سے خالی؟

لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ لوگ بھی اس قرآن شریف کو باقیل و قال ہمیشہ استعمال کرتے رہے۔ اور ان کے مخالف بھی اسی قرآن کو پڑھتے رہے اور خفیف سے خفیف اعتراض بھی اس کے متعلق نہیں کیا، انتہی (ازدلف آف محمد)

مقدمہ میں نتیجہ لیکن اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ حضرات شیعہ کی ساری جماعت اس قسم کا اعتقاد نہیں رکھتی۔ کہ قرآن شریف کے کچھ حصے ورج مصاحف ہونے سے رہ گئے ہیں بلکہ متقدمین شیعہ کی ایک بہت بڑی جماعت اس کے برخلاف یہ اعتقاد رکھتی ہے۔ کہ قرآن شریف پر قسم کی آتش تصرف و تغیر و تبدل سے ہمیشہ پاک صاف رہا ہے۔ اور آئندہ بھی بریگا۔ ماسن صاحب اپنی تفسیر صافی صفحہ ۴۸ میں لکھتے ہیں۔ (یہ تفسیر آجکل شیعہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہے)

قد روائی جماعۃ من اصحابنا و قوم من الخشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیراً و نقصاناً و لصحیح من مذهب اصحابنا خلا و بلغت حد اللم مبلغ فی ما ذکرناہ ان القرآن معجزۃ النبوة و ما خلا العلم الشرعیۃ و لا احکام الدینیۃ و علماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ و حمایتہ الغایتۃ حتی عمر فوا کل شیء اختلف فیہ من اعابہ و ایتہ ہمارے دوستوں کی ایک جماعت اور عوام مسخو نے یہ روایت کی ہے۔ کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے لیکن صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا اس کے خلاف ہے۔ اور نیران لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اور اصل بات یہ ہے۔ کہ قرآن شریف نبوت کا مجاز اور علوم شرعیہ کا ماخذ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے اور علماء اسلام نے یہ سائنک اسکی حفاظت اور نگہبانی کی ہے۔ کہ انہوں نے ہر چیز میں جس

وحی وفہ وقرآنہ ۵

میں اعراب قرأت احرف اور آیات کے بارہ میں
فکیف مجوزان یکون مخیراً ومنقوصاً اختلاف کیا گیا ہے۔ عرفان تام اور واقفیت عام
مع العناية الصادقة والضبط الشديد پیدہ کرنی ہے۔ پھر کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ضبط شدید
اور حفاظت صحیحہ کی موجودگی میں کسی قسم کا تغیر یا
کمی ہونے باقی ہو؛

قاضی نور اللہ شوہسری مصائب النواصب میں لکھتے ہیں

ما شَبَّ اَلسَّيِّئَةِ اِلَّا مَائِيَّةُ التَّغْيِيرِ غیہ امامیہ کی طرف یہ بات جو منسوب ہے۔ کہ
فی القرآن لیس مما قال بجهور الامامة وہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن میں تغیر ہوا ہے جمہور
انما قال به شذوذة قليلة الامامیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس کا قائل
اعتد ابھم فیما بینھم ایک چھوٹا گروہ ہے۔ جو کسی شمار میں نہیں؛

شرح کافی علامہ محمد بن الحسن البحر العالی کا جو فرقہ امامیہ میں اعلیٰ محدث ہیں
قول نقل کرتے ہیں :-

ہر کسے کہ نتیجہ آثار و تفحص تواریخ و آثار نمودہ باشد بعلم یقین سے داند۔ کہ قرآن
در غایت و اعلیٰ درجہ تواتر بودہ و آلف صحابہ حفظ و نقل سے گرد نہ آئند اور عہد
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ و مولف بود شرح کافی ملا صدق جلد ۲ مطبوعہ قسطنطنیہ
علامہ طبری مجمع البیان میں شریف مرتضیٰ علم الدینی کا قول نقل کرتے ہیں :-

ان القرآن کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعاً مؤلفاً
علی ما ہو علیہ الان واستدل علی ذلک - یعنی قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں اسی طور پر مکمل و مرتب تھا۔ جس طرح کہ وہ اب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔
اس پر بہت سے دلائل لکھنے کے بعد پھر لکھتے ہیں :-

وان خالف ذلک من الامامیۃ امامیہ و حنویہ سے جن لوگوں نے اس کے خلاف کہا۔
والحنویۃ لایعتد بخلافہم لان الخلاف وہ کسی شمار و قطار میں نہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف ان چند
مضاف الی قوم من صحبہ لحدیث نقلوا اصحاب کی طرف منسوب ہے۔ جنہوں نے

اخباراً ضعیفہ ظنوا محتما۔

ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کو صحیح

مان لیا ؟

(مجمع البیان مطبوعہ ایران)

اس کے سوائے اور بھی بہت سے مستند علمائے شیعہ کے اقوال تکمیل قرآن کے متعلق ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مگر خوف طوالت ہم انہیں درج نہیں کرتے ؟

تناسب آیات و سُوَر

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ کہ آیات و سُوَر کی ترتیب توقیفی ہے۔ ہر ایک آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق خاص اہتمام سے اپنے اپنے محل پر لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ایک سورت کے بعد دوسری صورت کا محل و موقع بھی ارشاد مبارک ہی کے ساتھ مقرر و عین ہوا ہے۔ عرضہ انہو میں جب دو مرتبہ قرآن دوہرایا گیا۔ تو اسی ترتیب آیات و سُوَر پر دوہرایا گیا ہے۔ جس پر آجکل لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہے ؟

اب رہی یہ بات کہ آیتیں آپس میں مرتبطہ و منسبتی بھی ہیں یا نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ قرآن کی آیتیں اور سورتیں چونکہ مختلف واقعات و حالات کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے ان میں باہمی ربط نہیں اور جو بھی نہیں سکتا۔ مگر یہ خیال لغو ہے۔ کلام کی رفعت و بلاغت کا انحصار مخاطب کے اقتضائے حالت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور خصوص قرآن کا اعلیٰ مقصد یہ ہے۔ کہ وہ اخلاص و تزکیہ نفس کے مضامین میں مخاطب کو ہمہ تن محو کرنا چاہتا ہے۔ تکمیل فطرت انسانی کے احکام پیشینگوئیاں فروں سابقہ و امم ماضیہ کے علالت و علوم و حکمت کی دقیق و نازک باتیں۔ مذہبی۔ تمدنی۔ ملکی۔ تجارتی و دیوانی۔ فوجداری وغیرہ وغیرہ کے ضابطے۔ روحانی نجات و صحت جسمانی۔ جماعت و افراد کے حقوق وغیرہ وغیرہ سب اس قدر مضامین قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں کہ اگر کوئی انسان تمام مضامین کو ضبط کرنا چاہے۔ تو قرآن جیسی دس ضخیم کتابوں میں بھی ضبط نہ ہو سکے گا۔ لیکن قرآن میں یہ سب مضامین نہایت عمدگی سے بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ اس قدر موجز و مختصر ہے۔ کہ کسی کلام کا اس کے برابر مختصر ہو کر ایسے مضامین کا

اذا کرنا صرف نامکن ہی نہیں۔ بلکہ محال ہے۔ اس میں کوئی زاید بات بیان نہیں ہوئی اور ضروری باتیں بھی ضرور کفایت میں عموماً ادا ہوئی ہیں۔ جس طرح اس کا ظاہر مہنا میں حسنہ سے لبریز ہے۔ ایسے ہی اس کا باطن لطائف معانی سے مملو ہے۔ لہذا اس کی آیات و سُوَر کا تناسب معلوم کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بڑا تعجب ہے کہ خالق کلمہ و کلام کا کلام ہو۔ اور اس میں تناسب و ارتباط و التماسق نہ پایا جائے۔ اور اس کی نسبت یہ کہا جائے۔ یہ کلام غیر مرتبط ہے۔ اور کہنے والے بھی کون؟ وہ جنہیں اپنی روزمرہ میں بھی کافی دسترس نہیں۔ علامہ ابن عربی لکھتے ہیں۔ ”میرا دعوے ہے۔ کہ قرآن کریم کی تمام آیتیں مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط و منسلک ہیں۔ لیکن چونکہ جہوں اس علم کی قدر نہ کرے گی۔ اس لئے اس کا لطف خود میں ہی اٹھالیتا ہوں۔ اور اپنے اور اپنے اشد کے درمیان رکھتا ہوں۔ محققین علماؤں نے اس مضمون پر بہت کچھ لکھا ہے۔ فمن شاء فليرجع اليه +

سَبْعَةُ أَحْرَف

تاج المنصا در میں ہے۔ احرف جمع ہے۔ واحد اس کا حرف بمعنی محاورہ۔ لغت (طرز ادا کے کلام) فالمراد بسبعة احرف۔ سَبْعُ لُغَاتٍ مِنْ لُغَاتِ الْعَرَبِ یعنی قرآن شریف نازل ہوا۔ سات لغتوں میں لغات عربیہ؛

فتح الباری۔ نقل ابو شامة عن ابوشامہ اپنے کسی بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں بعض الشیوخ انه قال اُنزل القرآن اولا بلسان قریش ومن جاورهم من العرب الفصحاء۔ ثم ابیحم للعرب ان یقرؤہ بلغاتہم الّتی جرت عادۃہم میاستعمالہا علی اختلاف فہم فی الالفاظ و الاعراب ولم یکلف احدٌ منہم ابوشامہ اپنے کسی بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اول قرآن شریف کا نزول زبان قریش اور ان فصیح عربوں کی زبان میں ہوا تھا جو انکی مہارت میں رہتے تھے۔ پھر دوسری عرب قوم کو یہ اجازت دی گئی۔ کہ وہ اسے اپنی لغات میں یعنی ان محاوروں میں جنکے استعمال کے وہ عادی ہیں پڑھ لیا کریں۔ ابوجہان کے اختلاف کے الفاظ میں اور اعراب

الاستقال من لُغَتِهِ اِلَى لُغَةِ اُخْرٰی
لَمْ يَشَقَّ وَلِحٰثِلٰہِمْ فِہِمْ الْحَمِیۃُ
وَلَطَب تَسْمِیْل فِہِمْ الْمَسْرُوعِل
فَاللَّکْ مَعَ اتِّفَاقِ الْمُحَضَّاءِ

میں اور ان میں سے کسی کو اس بات پر مجبور
نہ کیا گیا۔ کہ وہ اپنے محاورہ کو چھوڑ کر دوسرے
کا محاورہ اختیار کرے کہ ایسا کرنا ان کیلئے دشوار
تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاورہ کی حیت بھی
تھی اور اس سے فہم معنی میں بھی آسانی تھی۔
اور یہ سب کچھ اتفاق معنے کے ساتھ تھا۔

یعنی یہ اختلاف محاورہ ان کے ایسے نہ تھے۔ جن سے معنوں میں کچھ بھی فرق
پڑتا ہو۔ انتہی

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
ابْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ اقْرَأْ نِي جِبْرِيلَ عَلَى حَرْفٍ فَرَجَعْتُ
فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَرْدِدْهُ وَيَزِيدُ نِي حَتَّى أَتَى
إِلَى سَبْعَةِ أَحْرَافٍ - (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریلؑ نے
مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھایا۔ میں نے اس سے مراجعت
کی یا ربا بدوہرایا کہ زیادہ حروف میں پڑھے۔
پس وہ تعداد کو بڑھا گیا۔ یہاں تک کہ سات پر
پہنچ گیا۔

مسلم میں بھی یہی حدیث کچھ زیادتی کے ساتھ آئی ہے۔ قال ابن شہاب
بلغنی تلک السبعة الاحرف اغماہی فی الامر یكون واحدا لا یختلف
نہ الحلال والحرام۔ یعنی ابن شہاب نے کہا۔ مجھے یہ شہر پہنچی ہے۔ کہ یہ سات حروف
ایسے امر میں ہیں۔ جو ایک ہی ہے۔ اور اس سے حلال و حرام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ
رَجُلًا يَقْرَأُ وَهَمَّتُ اَلنَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خَلَا فِیْهَا فَجِئْتُ بِهِ اِلَیَّ
اَللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْبَرْتُهُ فَحَضَرْتُ فِی
وَجْهَهُ الْاُكْرَاهَةُ - فَقَالَ كَلَّا كَمَا

ابن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو قرآن
پڑھتے سنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور طرح پر
پڑھنا سنا تھا۔ پس میں اس کو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اور خبر دی۔ میں نے
دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ہیں۔

آپے فرمایا تم دونوں ایک ٹہریٹے ہو۔ اختلاف مت کرو
کیونکہ جو تم سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے
اختلاف کیا اور ہلاک ہو گئے۔

مُحَمَّدٌ فَلَا تَخْتَلِفُوا - فَإِنَّ مِنْ كَانُ قَبْلَكُمْ
اِخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا - (بخاری)

(۴) عن ابی بن کعب قال کنت فی السجود
فدخل رجل فصلى فقرأ وقراءة انكرتها
عليه ثم دخل اخر فقرأ وقراءة سواي
قراءة صاحبه فلما قضينا الصلاة
دخلنا جميعا على رسول الله صلى الله عليه
وسلم - فقلت ان هذا اقرأ وقراءة انكرتها
عليه ودخل اخر فقرأ وقراءة سواي
صاحبه فامرهما النبي صلى الله عليه وسلم
فقرأ فحسن شائنا - فسقط في نفسي من
التكذيب ولا اذكنت في الجاهلية
فلما اذى رسول الله صلى الله عليه وسلم
ما قد عشتي ضربت في صدري ففقت
عمر قأ و كاتما انظر الى الله فرقا
فقل لي يا ابی اُرسل الى ان اقرأ
القران على حرف فرددت اليه ان
هوّن على اتي فرددت اليه ان
اقرأ على علي بن ابي طالب فرددت اليه
ان هوّن على اتي فرددت اليه ان
الثالثة اقرأ على مسبعة
اخر فرددت - (مسلم)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں سجدہ
میں تھا۔ اور ایک آدمی اگر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے
قرأت پڑھی جس پر میں نے اعتراض کی پھر دو سر آ یا
اس نے پہلے سے بھی اختلاف کسما تہ قرأت پڑھی۔
نماز سے فارغ ہو کر ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ اس شخص
ایک قرأت پڑھی، جس پر میں نے اعتراض کیا ہے پھر دوسرا
شخص آیا۔ اس نے بھی اسی سے مختلف قرأت پڑھی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا انہیں
پڑھ سنایا۔ اور آپ نے ان دونوں کی قرأت پسند فرمائی
اس پر میری دل میں یکا یک تکذیب کا ایسا دوسو گنگنا
کہ جاہلیت میں بھی نہ گذر تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دیکھا۔ کہ کیا دوسو میری دل میں گذرا ہے تو آپ صلی
نے میرے سینہ پر ہاتھ مالا کیس پسینہ پسینہ ہو گیا گویا کہ میں
استو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا پھر فرمایا اے ابی
مجھے حکم دیا گیا کہ میں ایک ہی حرف پڑھا پڑھوں۔
پھر میں نے ٹوٹا یا اور عرض کی کہ میری امت پر آسانی
کیجائے پھر دوبارہ مجھے فرمایا گیا۔ کہ دو حرفوں پر
پڑھو۔ پھر میں نے اس بات کو ٹوٹا یا۔ اور عرض کی کہ
میری امت پر آسانی کیجائے۔ پھر تیسری دفعہ

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فقلت انی سمعت هذا یقرء بسورة
 الفہقان علی حروف فقال النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم ارسد یا عمر اقرء یا
 هشام فقرأ علیہ القرآۃ الی سمعت
 یقرء فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 هكذا اُنزلت یا عمر ثم قال اقرء یا
 عمر فقرأت قرآۃ الی اُسرأ فی النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم قال هكذا انزلت
 ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف
 فاقراء ما تیسر منه (بخاری و مسلم)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے کر
 چلا گیا۔ اور عرض کی کہ میں نے ہشام کو ایسے
 حروف پر سورہ فرقان پڑھتے سنا ہے۔ جن پر آپ نے
 مجھے قرآن نہیں پڑایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو اور فرمایا یا ہشام پڑھ۔
 اس نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے اسکو پڑھتے سنا تھا۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسطرح یہ
 نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا اسے عمر تم پڑھو میں نے
 اسطرح پڑھا۔ جسطرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔ فرمایا۔
 اسی طرح یہ نازل ہوں ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات
 حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ پس جو تم پر آسان ہو
 پڑھو۔

(۷) عن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کان عند اخلاء بنی غفار فاثبہ
 جبریل فقال ان اللہ اسرک ان تُسرئی
 امثک القرآن علی سبعة احرف -
 حضرت ابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اصداۃ بنی غفار کے پاس تھے۔ جبریل آئے۔
 اور انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ
 اجازت دی ہے کہ اپنی امت کو مختلف حروف پر
 قرآن پڑھائیں۔

(۸) عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن
 وفیتا الاعمی والجمی فقال اقرءوا
 فکل حسن وسیتی ارقام یقیمونہ حکما
 یقام القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ
 حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہم پر آئے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہمارے بھائی
 میں عربی و عجمی لوگ تھے۔ آپ نے فرمایا۔ پڑھ جاؤ۔ سبھی
 ٹھیک پڑھ رہے ہو۔ بعد میں ایسی توہیں آئیں گی۔
 جو قرآن کو بڑی مددگی کے ساتھ پڑھیں گی ایسی صفات
 سے جیسے کہ تیر سیدہ پاکیا جانتا ہے۔ مگر وہ اس کا اجر

اسی زندگی میں تلاش کریں گے۔ اور عاقبت کی
پرودہ نہیں کریں گے؟

احرف کے متعلق صحاح میں صرف یہی حدیثیں ہیں۔

رعایت اول میں دو بات کا ذکر ہے لا، قرآن شریف کا نزول اصالتاً محاورہ قریش پر ہوا ہے
(۲) غیر محاورہ قریش پر کلام مجید کے پڑھے جانے کا ایک سبب حمیت محاورہ و خودماری اقوام
ہے۔ انہوں نے حدیث میں سبعة احرف کی اجازت کے اسباب کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے۔

کہ اُت میں ایسے لوگ ہیں جن کی زبان پر محاورہ قریش کے الفاظ نہیں چلے سکتے۔ چھٹی

حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عمر بن الخطاب نے اس واقعہ ہشام سے پہلے کسی دوسرے

شخص کو غیر محاورہ قریش پر قرآن پڑھتے نہیں سنا تھا۔ اور ہشام بن الکیم یقیناً فتح مکہ کے بعد

مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔ کان ھو والوۃ من شملی النعم ۷

کہ ہشام اور اس کا باپ فتح مکہ میں مسلمان ہونے والے لوگوں میں سے ہیں۔ اس موقع پر

فتح الباری لکھتے ہیں۔ فَكَانَ سَبَبُ اخْتِلَافٍ قَرِيبًا ۷ اِنَّ عَمْرَ حَفِظَ

هَذِهِ السُّورَةَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِیماً ۷ ثُمَّ لَمَ

یَسْمَعْ مَا نَزَلَ فِیْہَا بِاخْتِلَافٍ مَا حَفِظَ ۷ وِشَاحِدَہٗ ۷ لَانَ ہِشَامٌ اَمِنَ سُلَیْمَیَہٗ

الْفَتْحِ فَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرَبَہٗ ۷ عَلَی مَا نَزَلَ اَخِیْرًا ۷ فَمِنْ شِاْءِ

اِخْتِلَافِہُمَا مِنْ ذٰلِکَ ۷ - فتح الباری جلد ۹ باب انزل القرآن علی سبعة (حرف)

یعنی ان کے قراءت کے اختلاف کا سبب یہ ہے۔ کہ عمر نے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے اس سورہ کو حفظ کیا تھا۔ اور ابھی تک ایسے اختلاف قراءت کو اس نے نہیں

سنا تھا۔ اور ہشام واقعہ فتح مکہ میں اسلام لانے والے لوگوں میں سے ہے۔ اور رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام کو سورہ فرقان پڑھائی۔ ان حروف کی رعایت پر جو بعد میں

نازل ہوئے تھے؟

ساتویں حدیث میں اس مقام کا ذکر ہے۔ جہاں سبعة احرف کی اجازت عطا ہوئی ہے

جس سے یہ بات قلعہ یار ثبوت تک پہنچتی ہے۔ کہ سبعة احرف کی اجازت ہیرت کے بعد

مدینہ میں ہوئی ہے۔ کیونکہ اضافۃ بنی غفار مدینہ منورہ کے ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ قال و اضافۃ بنی غفار هو مُسْتَنْقَمُ الْمَاءِ کالغدير (تالاب کے نہانے کی جگہ) فتح الباری میں ہے۔ وهو موضحٌ بالمدینہ ۱

نتیجہ روایات

ان مذکورہ حدیثوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے ہم اس نتیجہ پر آسانی پونچتے ہیں۔ کہ سب احرف کی اجازت نفع مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ اور اس سے پہلے صرف ایک ہی محاورہ قریش پر کلام اللہ شریف نازل ہوتا رہا ہے۔ اور اسی ایک ہی محاورہ پر پڑھا اور لکھا جاتا رہا ہے۔ یعنی سہہ ہجری کے قبل قرآن شریف کی قرائت میں کسی طرح کا اختلاف نہیں تھا۔ نفع مکہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبیلوں کے لوگ اور ان کے خاندانوں کے خاندان مدعیال و اطفال شہری و بدوی کثرت داخل سلسلہ اسلام ہوئے جن میں بوڑھی عورتیں۔ بوڑھے مرد۔ کمسن بچے اور آن پڑھ بھی تھے سینے ایسے لوگ تھے جن کی زبان سے صرف وہی الفاظ نکل سکتے تھے۔ جن کے استعمال کے وہ عادی تھے۔ اور دوسرے محاورہ کے الفاظ کا ان کی زبان پر پڑھنا ایک مشکل امر تھا۔ اور ایسے بھی لوگ تھے۔ جنہیں اپنے محاوروں کی محبت اور قومی پاسداری کا لحاظ بھی تھا۔ یعنی وہ اپنے محاوروں کو چھوڑنا اپنی ہتک عزت سمجھتے تھے اور ہر ایک مسلمان پر کچھ نہ کچھ حصہ کلام مجید کا یاد رکھنا ضروریات دین سے تھا۔ لہذا اس مشکل کے رفع کرنے کے لئے آسانی کے لئے وسعت احرف کی دعا مانگی گئی۔ اور وہ مقبول ہوئی ۱

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ کہ عربی قبائل کے لوگ گو ایک مدت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے گرویدہ تھے۔ لیکن اسلام کے اظہار کرنے میں نفع مکہ کے منظر تھے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ غیر صادق بنی ہرگز مکہ کو فتح نہیں کر سکتا اس لئے جب مکہ فتح ہوا۔ تو تمام عربیہ قوم اسلام کا اظہار کر دیا۔ ابو شامہ کی روایت

کے الفاظ یہ دلہا کان فیہم الحمیتۃ - کہ احرف کی اجازت کا ایک سبب عربی قوموں کی خودداری اور صمیمیت محاورہ بھی ہے۔ "بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ کہ اس وسعتِ احرف کا زمانہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ جبکہ عرب کے نامی وہ سات قبیلے داخل اسلام ہوئے۔ جن کے محاورے قریش کی روزمرہ کے خلاف تھے۔ اور ان میں اپنی اپنی قومی پاسداری اور محاوروں کی حمیت بھی تھی۔ پھر اُبی کی روایت ظاہر کرتی ہے کہ سببِ احرف کی اجازت مدینہ منورہ کے مقامِ اضاءۃ بنی غفار پر ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم تاریخ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ سببِ احرف کی اجازت کا زمانہ ابتدائے نزولِ کلامِ مجید سے انیس سال بعد کا ہے۔ اور سارے قرآن شریف کے نزول کا زمانہ بروایت صحیح بیس سال ہے۔ جیسے کہ ہم پہلے تحقیق کر آئے ہیں۔ پس اس حساب سے سببِ احرف کی اجازت سے پہلے ہی سارا قرآن مجید یا قریباً سارا نازل ہو چکا تھا۔ گویا اس اجازت سے قبل سارے کا سارا کلامِ مجید یا قریباً سارا ایک ہی محاورہ قریش پر اور اسی محاورہ کی رسم تحریر پر لکھا بھی جا چکا تھا۔ اور کسی غیر محاورہ قریش کا کوئی ایک حرف بھی اس میں داخل نہیں ہوا تھا۔ جس کی نقل حرف بحرف حضرت زید نے زمانۃ البوکھر میں کی۔ اور پھر وہی قرآنِ کیم حرف بحرف بعینہ نقل ہو کر عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ میں شائع ہوا۔

اختلاف محاورات

یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ کہ محاورہ قریش یعنی اصل محاورہ قرآن شریف کو دوسرے قبیلوں کے محاوروں سے کس قدر اختلاف تھا۔ جہاں تک احادیث سے پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ یہ اختلافات بہت خفیف تھے۔ البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض محاورات کے بعض الفاظ ایسے تھے۔ کہ اصل محاورہ کلامِ مجید میں ان کا قائم مقام کوئی اور لفظ تھا۔ لیکن معنی و مراد میں وہ دونو ایک ہی تھے۔ اور عام الفاظ میں حرف اتنا فرق تھا۔ کہ ایک محاورہ میں وہ ایک طرز پر ادا ہوتے۔ اور دوسرے محاورہ

احرف کی اجازت کا مطلب میں ان کی طرز ادا کچھ اور ہوتی تھی۔ یا ان دونوں میں اعراب کا فرق ہوتا تھا۔ قرآن کو سات حروف پر پڑھنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ سات طریق پر پڑھا جاتا تھا۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کو ہر ایک شخص جس طرح چاہتا۔ اپنے محاورہ کے دوسرے لفظ سے بدل لیتا۔ نہیں بلکہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک کلمہ کی طرز ادا و اختلاف اعراب وغیرہ میں محض انہی حروف و کلمات کی رعایت کی جاتی تھی۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنے جاتے تھے۔ پس سب احرف کی اجازت کے یہ معنی ہیں۔ کہ جن محاورات میں قرآن شریف کے بعض الفاظ پڑھنے کی اجازت ہوئی۔ وہ سات تھے مثلاً اعل محاورہ قرآن میں ایک لفظ حتیٰ ہے۔ اور قبیلہ ہذیل کے محاورہ میں اس کے بجائے عقی یعنی حرف عین سے بولا جاتا تھا۔ اسدی قبیلہ کے لوگ تَعْلَمُونَ کی ت کو کسہ کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اور ایک قبیلہ والے مَاءِ غیر آسین کو مَاءِ غیر یاسین پڑھتے تھے۔ ایسے ہی ایک قبیلہ کے لوگ ایسے الفاظ میں ہمزہ پڑھتے۔ جہاں اصل محاورہ میں ہمزہ نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اور بھی اسطرچ کے اختلافات ہیں۔ الغرض یہ اختلافات جملوں اور عبارتوں کے اختلافات نہیں تھے۔ بلکہ ایسے خفیف تھے جو مختلف قوموں اور مختلف اکنہ کے رہنے والوں کی روزمرہ میں عموماً پائے جاتے ہیں۔

قرآن شریف کے تمام مختلف فیہ الفاظ کی فہرست دینا ایک نہایت مشکل بات ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں ایسے الفاظ کم ضبط ہوئے ہیں جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یا تو ایسے الفاظ کی تعداد ہی کم تھی۔ اور یا ان کے ضبط کو ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور جو کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ وہ بھی حضرت ابن مسعود۔ ہشام ابی۔ ابو موسیٰ وغیرہ قرآن کی یادگاریں ہیں جنہوں نے اختلاف قرائت کے ضبط کو کمال قرآن دینی سمجھ رکھا تھا۔ اگر یہ حضرات احرف کی تعلیم اور اسکی ترویج میں زیادہ حصہ نہ لیتے۔ تو ٹھوڑے ہی دنوں بعد اختلافات محاورہ خود بخود ہی مٹ جاتے۔

اختلاف محاورہ کی کمی کے اسباب

عرب کے بڑے بڑے نامی قبیلے جب مشرف باسلام ہوئے۔ تو ابتداً ہر ایک قبیلہ کے لوگوں میں البتہ اپنے اپنے محاوروں کی حیثیت اور قومی خودداری کا اثر تھا۔ جس سے وہ اپنے محاوروں کو چھوڑ کر قریش کے محاورہ پر قرآن شریف کے پڑھنے کو قومی ہنسک و عار سمجھتے تھے۔ ورنہ یہ نہیں تھا کہ محاورہ قریش پر وہ قرآن شریف پڑھ ہی نہ سکتے تھے۔ ان سب قبائل میں قریش ہی کی زبان مبنی ہوئی اور علی زبان تھی۔ پھر جب قرآن شریف کا نزول بھی اسی زبان پر ہوا۔ تو قریش کی نظروں میں غیر اقوام کے محاوروں کی وقعت اور بھی گر گئی۔ اور ہر قرآن کی طرف سے اعلان پر اعلان ہونے لگے۔ **﴿فَاَلَا بُرُورَ لِمَنْ مِّثْلِهِ﴾** کہ قرآن جیسے ایک آدھ سورت بنالاء جس سے غیر اقوام کے فصحاء و بلغاء کو نینچا دیکھنا پڑا۔ اب جب یہی قبیلہ داخل سلسلہ اسلام ہوئے۔ اور قریش کے محاورہ پر انہیں قرآن شریف کے پڑھنے کی تکلیف دی گئی تو انہیں قومی پاسداری اس حکم کی تعمیل سے مانع ہوئی۔ اقتصاداً وقت یہی تھا۔ کہ انہیں اپنے اپنے محاوروں پر کلام مجید کے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ اس وقت **وسعت قرأت کا** قرأت کا بظاہر خوفناک نتیجہ ایک تو یہ تھا۔ کہ تھوڑے ہی دنوں **خوفناک نتیجہ** بعد کلام مجید کی نظم ایک حالت پر نہ رہتی۔ اور وہ الفاظ جو ایک لازوال ہستی کی زبان قدرت سے معجزہ کی صورت میں بیشمار برکات کا خزانہ لے کر نکلے تھے۔ وہ انسانی لفظوں میں بدل جاتے۔ اور ان کے معانی کی ظاہری لباس کی جیبیں مقدس الفاظ کے بدل جانے سے برکات کے خزانوں سے خالی رہ جاتیں۔ قرآن کا اعجاز لفظی ٹوٹ جاتا۔ اور یہ ماننا پڑتا۔ کہ قرآن کے معانی انسانی الفاظ میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک محال امر ہے۔ اور وہ قرآن جس کا ہر ایک معنی و لفظ **جملۃ منزل من اللہ سمجھا جاتا تھا**۔ اور جس کا نام وحی متلو رکھا گیا تھا۔ وہ اس تعریف سے عاری ہو جاتا۔ اور الفاظ منزله کے محفوظ نہ رہنے کے باعث علم منزله

کتابوں کی طرح روایت بالمعنی کے ہاتھوں اپنی ساری عظمت کھودیتا ؛

وسعت قرأت مگر قدرت الہی جس نے کلام مجید کی حفاظت اپنے ذمہ پر لے رکھی ہے قومی منافرجاتا رہا نے اس عام اجازت سے وہ کل کھلایا کہ معاملہ دیگرگوں ہو گیا۔ وہ قریشی خلیفہ عرب کے دوسرے قبائل کے محاوروں کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔

اور ان پر کنگد کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ رب پہلے انہوں ہی نے غیر محاورہ قریش پر قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ اور قرأت میں وہ کمال پیدا کیا کہ عام قبائل عرب کو ان کے محاوروں کے مطابق تعلیم دینے پر قادر ہو گئے۔ قریش کی اس پر بغیر نہ چال کو دیکھ کر دوسرے قبائل کے لوگ بھی نفرت قریش پر قرآن کے پڑھنے پر مائل ہو گئے۔ نہ وہ حمیت محاورہ رہی۔ نہ قومی پاسداری کا مغل اثر رہا۔ بالآخر قحطی

ہی دنوں کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موجودگی میں ہر ایک قبیلے کا ہر ایک شخص محاورہ قریش پر قرآن شریف کو بیدھڑک پڑھنے پر قادر ہو گیا۔ اور بعض تو ایسے حضرت بھی تھے۔ کہ ساتوں حروف کی رعایت پر ہر ایک آیت قرآنی کی تلاوت کر سکتے تھے۔ علاوہ اس کے ایک اور بڑی زبردست اور پُر اثر تحریک بھی تھی۔ جو عام لوگوں کو محاورہ قریش پر قرآن شریف کے پڑھنے کی طرف بزور کھینچی رہتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ عام لوگوں کو سبب احرف پر قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس طرح پر پڑھنا وحی الہی کی ہدایت کے بموجب عمل میں آیا تھا

رسول کریم فرضہ نمازوں میں اور خود آپ صلعم نے بھی بعض وقت غیر محاورہ قریش قریش ہی لغت پر قرآن پڑھا ہی

آپ صلعم نے ہمیشہ اصل محاورہ قرآن ہی پر قرآن کریم کو پڑھا ہے۔ کسی رعایت سے یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر نماز میں غیر محاورہ قریش پر قرآن شریف پڑھا ہے۔ صحابہ کرام چونکہ ہر ایک نفل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو بہترین اعمال جانتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز کرنے کو باعث گمراہی و الحاد تصور کرتے تھے۔ لہذا با بطبع ہر ایک شخص خواہ وہ کسی قبیلہ کا ہوتا۔

محدودہ قریش ہی پر قرآن شریف کے پڑھنے کا مشتاق رہتا تھا۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جسکو اہل عرب نہ کر سکتے۔ اگر حضرت ابن سعود و ابی بن کعب و ہشام و ابوموسیٰ اشعری وغیرہ قرآنِ احرف کی ترویج میں کوشاں نہ ہوتے۔ اور محدورین کے سوائے دوسروں کو خواہ مخواہ احرف کی حمیت پر قائم رکھنے میں سعی نہ کرتے۔ تو چند ہی دنوں بعد احرف کا نشان تکسہ ہی نہ رہتا۔ آخر کار ایسا ہی ہوا۔ کہ قرآن کی ایک بہت بڑی زبردست جماعت کی سعی بلیغ کے ہوتے ہوئے عام صحابہ کرام نے محدود قریش ہی پر قرآن شریف کے پڑھنے پر اتفاق کر لیا۔ جس کے متعلق ہم آگے جگہ بحث کریں گے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضی نمازوں میں محدودہ قریش ہی پر ہمیشہ قرآن شریف کا پڑھنا۔ اس امر کی صریح دلیل ہے۔ کہ سب احرف کی اجازت محض وقتی اور عارضی اجازت تھی۔ اصل کلام مجید اور اس کی تکمیل میں انہیں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور کیونکہ دخل ہوتا۔ قرآن کریم وہ قدسی کلمات ہیں۔ جن کو خداوند عالم نے اپنے احاطہ علمی سے سنوں پر سموزوں کیا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ مقامی رعایت جس ادا۔ خوش اسلوبی برکات جسدیگی۔ جذب قلوب۔ تزکیہ نفس وغیرہ وغیرہ خوبوں کا اسقدر رہنما خزانے اپنے دامن کے تلے رکھتا ہے۔ کہ ممکن ہی نہیں۔ کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ ایسی خوبیوں کا جامع کوئی دوسرا شخص لاسکے۔ نہ جبریل علیہ السلام میں یہ قدرت ہے۔ نہ رسول میں نہ کسی اور فصیح و بلیغ خطیب میں۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرضیہ نمازوں میں جس میں انسان گویا خداوند عالم سے ہم کلام ہوتا ہے ان کلمات عالیہ جو زبانِ قدس سے نکلے ہیں (کو چھوڑ کر ان کی جگہ قومی الفاظ استعمال کرتے۔ اسی طرح اجلہ صحابہ مثل ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کرم اللہ وجہہ نے بھی ہمیشہ محدودہ قریش ہی پر قرآن کو پڑھا ہے اور ترویج احرف کو ناپسند رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب یہ سنا۔ کہ ابن سعود کو فہم لوگوں کو نجد ہذیل پر قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو ان کے نام یہ فرمان جاری کیا۔ کہ کلام مجید کا نزول اصلۃً لسانِ قریش پر ہوا ہے۔ پس آپ لوگوں کو ہذیل کے محدودہ پر قرآن نہ پڑھائیں۔ ہذیل کی بولچال

میں۔ حتیٰ کی بجائے عتیٰ (یعین) بولتے ہیں۔ گو یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے مطابق صحیح ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے کوئی قباحت بھی لازم نہیں آتی لیکن جو شخص حتیٰ پڑھ سکتا ہے۔ خواہ نحو اُسے عتیٰ پڑھنے پر مائل کرنے کی کیا ضرورت ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کو اس سے منع کیا۔ نفع انباری جلد ۹ میں ہے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان (وَمِنْ ثَمَّ اَنْكَرَ عُمَرُ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ قِرَاءَةً يَدْعِي حِينَ "ابن مسعود کے نام پر

النَّاسَ بِلُغَةِ قُرَيْشٍ كَمَا تَقْرَأُ بِلُغَةِ هَذَالِ) کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ دعئیٰ حین " پڑھاتے ہیں۔ تو انہیں ناگوار گزار پھر انہوں نے ابن مسعودؓ کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ کہ قرآن لغت ہذیل پر نازل نہیں ہوا۔ پس تم لوگوں کو قریش کی لغت پر قرآن پڑھایا کرو۔ اور لغت ہذیل پر ہرگز مت پڑھاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف نقل کرائے۔ تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ کہ وحی کی کتابت محاورہ قریش کے برخلاف نہ ہو۔ تاکہ تنزیل اور کتابت تنزیل میں لغت رہے۔ حضرت عمرؓ و عثمانؓ ایسے شخص نہیں کہ کہا جائے کہ انہیں احرف کی حقیقت پر علم نہ تھا۔ نہیں۔ بلکہ وہ ان کی حقیقت سے پورے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن وحی سلوک کا نام ہے۔ اور احرف کی اجازت محض وقتی اور مقامی ضرورت کا دفعیہ ہے۔ اب جب ضرورت نہیں رہی تو اجازت کا ارتفاع ایک لازمی امر ہے۔

قرآن مجید کی کوئی آیت غر محاورہ اگر قرآن مجید کے کسی حصہ کی کتابت میں رسول اللہ قرآن پر نہیں لکھی گئی۔ صلے اللہ علیہ وسلم نے مبداء احرف کی رعایت کے

مطابق الفاظ درج کرائے ہوتے تو حضرت زید (کاتب وحی) کو اس پر ضرور علم ہوتا۔ اول تو خود زید ہی نے اپنی قلم سے ان کو لکھا ہوتا۔ اور اگر ان کی غیر حاضری میں کسی اور کاتب کی قلم سے لکھ گئے ہوتے۔ تاہم زید کی نظر سے ان کا گذر ضروری تھا۔ اس لئے کہ حضرت زید کاتب وحی بھی تھے۔ اور ساتھ ہی وہ قرآن شریف کو حفظ بھی کیا کرتے تھے۔ اور جو آیتیں اور سورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نگرانی سے لکھی جاتی تھیں۔ ان کی حفاظت

بھی عموماً زید ہی کے ذمہ میں رہتی تھی۔ پھر جب عہدِ صدیقؓ میں اسی زید نے مصحف کو جمع کرنا شروع کیا۔ اور اس کام میں زیادہ تر انہیں پر اعتماد بھی تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس امین کا تب نے تمام کلام مجید کو اپنی رائے کے مطابق مغیر و محرف کر ڈالا ہوگا۔ اور کیا وہ ان تمام حروف کو جنہیں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کی ہدایت کے مطابق لکھوایا تھا۔ بیکلفت ظلم انداز کر سکتے تھے۔ پھر ان کے اس فعل شنیع پر کسی جاں باز صحابی کو اتنی جرأت نہ ہوئی۔ کہ ان کو ایسے تاریک گناہ کے ارتکاب سے منع کرتا۔ تمام ذخیرہ احادیث سے کہیں بھی یہ تہ نہیں چلتا۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زید کا مصحف کو یہ ہدایت یا تاکید کی تھی۔ کہ وہ مصحف کو صرف ایک ہی محاورہ قریش پر جمع کرے۔ نہ ہی کہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ زید نے دوسرے قبائل کے حروف سے کافٹ چھانٹ کر مصحف تیار کیا تھا۔ بالضرع اگر زید اس کام پر آمادہ ہو بھی گئے ہوتے۔ تاہم ہزارا صحابہ جو اس وقت موجود تھے۔ انہیں ایسا کیوں کرنے دیتے۔ یہ کام کوئی ننہالی میں تو ہوا ہی نہ تھا۔ بلکہ جمع عام میں لکھا جاتا تھا۔ اور ہر ایک صحابی لکھے ہوئے اور اوراقِ مصحف کو ہر وقت دیکھ بھال سکتا تھا۔ اسلامی تاریخ کوئی سیاق و سباق تاریخی نہیں ہے اس میں رسول کریمؐ اور تمام صحابہؓ کے حالات درجہ ذرہ لکھے پڑے ہیں۔ اگر صحابہؓ میں اس وقت کوئی تنازع دربارہ ترک کتابتِ اُحرف ہو سوتا۔ تو ضرور اس کا تذکرہ حرف بحرف ہم تک پہنچتا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی منزل کی جو تحریریں اپنی خاص نگہانی سے لکھوائی تھیں۔ وہ سب کی سب ایک محاورہ قریش ہی کی رسم کتابت پر لکھوائی تھیں اور ان میں کسی دوسرے قبیلے کا کوئی ایک حرف بھی درج نہیں ہوا تھا۔ پس حضرت زید نے بعینہ انہی تحریروں کو ایک مصحف میں جمع کیا۔ اور پھر وہی کلام مجید بنام وکاست عہد عثمان میں نقل ہو کر شائع ہوا۔

صاحبِ اتفاق کا قول مفسرین میں سے صاحبِ اتفاق (جمال الدین سیوطی) ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کو مصحف میں جمع کرنے کا قصد کیا۔ تو انہوں نے بعینہ اس قرآن کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کا اہتمام کیا۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں متفرق طور پر لکھا گیا تھا۔ اس واسطے مصحفِ صدیقؓ میں ان سب مختلف

قرآنوں کے الفاظ موجود تھے۔ جو آخری دور سے پہلے ایک سے سات طرح تک پڑھے جاتے تھے !

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں غرضیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی تلاوت اور کتابت میں مختلف قرآنوں کے ساتھ طرح تک کے الفاظ قرآن مجید میں شامل تھے۔ جو آخری دور میں بہت سے حذف ہو گئے تھے۔ ابن اُسنۃ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ جبریل علیہ السلام پر سال ماہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا ایک مرتبہ دُور فرمایا کرتے تھے۔ مکِیَب وہ سال آیا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی ہے۔ تو جبریلؑ نے آپ صلعم سے دوسرے دور کیا ہے۔ اس لئے علماء کا خیال ہے کہ ہماری قرأت آخری دور کے مطابق ہے۔ نبوی شرح السنۃ میں لکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید بن ثابت قرآن کے اس آخری دور میں حاضر رہے تھے۔ جس کے اندر بیان کیا گیا تھا۔ کہ کتنا حصہ کلام مجید کا نسخہ ہو گیا ہے۔ اور کس قدر باقی ہے۔ اور چونکہ زید بن ثابت ہی نے اسکو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھ کر پھرا ہے آپ صلعم کو سنا کر پڑھا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ زید بن ثابت اس قرآن کو رسول کریمؐ کی وفات تک لوگوں کو پڑھاتے رہے تھے۔ اس واسطے ابو بکرؓ و عمرؓ نے اس قرآن کو قابل اعتماد مان کر جمع کر لیا۔ اور عثمانؓ نے اسے مصاحف میں لکھنے کی خدمت ادا کی۔ انتہی (از اتفاق سیوطی)

صاحب اتفاق کا دعویٰ تو یہ ہے۔ کہ مصحف صدیق میں مختلف قرآنوں کے الفاظ موجود تھے

اتفاق کے قول اور اس کے ثبوت میں جو کچھ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی تلاوت اور کتابت میں مختلف قرآنوں کے الفاظ قرآن مجید میں شامل تھے۔ جو آخری دور میں بہت سے حذف ہو گئے (۲) پھر اس کی تائید ابن اُسنۃ کے قول سے کرتے ہیں۔ اس لئے علماء کا خیال ہے کہ ہماری قرأت آخری دور کے مطابق ہے۔ (جیسے کہ ہم آگے سبجہ احرف کے خاتمہ پر لکھیں گے) (۳) حاصل نقل نبوی زید بن ثابت آخری دور میں شریک تھے۔ اور رسول کریمؐ کی وفات تک لوگوں کو قرآن پڑھاتے رہے تھے۔ اس لئے کتابت مصحف کے لئے منتخب ہوئے؛

ان تمام تقریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم نے اپنی رحلت کے سال میں کلام مجید کی قرأت کی اصلاح کر دی تھی۔ (یعنی کلام مجید میں سے اصلی قرأت کے سوائے دوسری تمام قرائتوں کے الفاظ حذف کر دئے تھے) زید بن ثابت اس بات پر پورا پورا علم رکھتے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ قرآن مجید کا فلاں حصہ یا آیت۔ یا لفظ متروک یا محذوف ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعد میں وہ اسی رعایت کے ساتھ تاوفاات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن پڑھانے بھی رہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب باتوں کو ان کرمولانا جلال الدین کا پھر یہ لکھنا کہ مصحف صدیق میں تمام مختلف قرائتوں کے الفاظ درج تھے۔ کیا سنے رکھتا ہے۔ گویا زید نے (جن پر کتابت وحی اور محنت قرائت مختار دورہ اخیر کا بڑا اعتبار تھا) جمع مصحف کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ یعنی مصحف میں انہوں نے دوبارہ وہ سب کے سب الفاظ درج کر دیئے جنکو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کے مطابق حذف کیا تھا۔ اور پھر ابوبکر صدیق و عمر و عثمان و علی وغیرہم اوف صحابہ نے بھی اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ فہذا عجب کل العجب۔ یہ اس بوڑھے حافظ حدیث کی تحقیق ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ اس بوڑھے حافظ مولانا جلال الدین صاحب افغان کا محدثین میں کیا اعتبار ہے۔ اور ان کی روایات کہاں تک قابل وثوق مانی گئی ہیں؟

حضرت شاہ عبدالغفر بہ محدث دہلوی اپنے رسالہ عجائبات النافع (جو کہ علم اصول حدیث میں ایک مختصر مگر نہایت قیمتی رسالہ ہے) میں لکھتے ہیں:

احادیث کے چار طبقے ہیں۔ طبقہ اول میں جو سب زیادہ معتبر ہے) مؤطا امام مالک۔ بخاری مسلم ہیں۔ طبقہ دوم میں ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی ہے (جو بلحاظ اعتبار کے طبقہ اول سے کم درجہ ہیں)۔ طبقہ سوم میں وہ کتابیں ہیں جن کی مقبولیت عام طور پر نہیں ہوئی۔ اور ان میں ایسے راوی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں اور ان کی دستگونی پر بڑی جمع ہوئی ہو۔ مثلاً۔ طبرانی۔ طحاوی۔ بیہقی۔ مستدرک حاکم۔ مستدراج۔ و دارمی وغیرہ۔ طبقہ چہارم جو بلحاظ اعتبار کے تمام درجوں سے کم ہے۔ اس کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں طبقہ رابع جو بلحاظ اعتبار کے

تمام درجوں سے کم ہے۔ اس کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ طبقہ رابعہ ۴ احادیث کے نام و نشان آہنہا در قرون سالفہ معلوم نہ بود۔ و متاخرین آن را روایت کرده اند۔ پس حال آہنہا دوستی خالی نیست یا سلف تفتحص کردند۔ و آہنہا را اصلے نیافتہ اند۔ تا مشغول آہنہاے شدند۔ یا یافتند و در آہنہا قدحے و علقے دیدند۔ کہ باعث شدہ ہمہ آہنہا را بر ترک روایات آہنہا و علیٰ کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است۔ یعنی جلال الدین سیوطی کی تصانیف کا ماخذ طبقہ چہام

شاہ عبدالغفر صاحب کی کی روایات ہیں۔ جو ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔ اس قدر بحث کے لئے تصانیف سیوطی کے متعلق بعد اب ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاورہ قریش کے سوائے جن محاورات پر یا جن حروف یا قراتوں پر قرآن کے پڑھے جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ صرف قتی اور مقامی ضرورت کے لئے تھی۔ اور آپؐ نے یہ کبھی حکم نہیں دیا۔ کہ انکو تحریریں لایا جائے۔ ان حروف کی اجازت دینے سے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وحی الہی کا یہ منشا تھا۔ کہ یہ سب قراتیں ہمیشہ کیلئے جزو قرآن سمجھی جائیں۔ پس قرآن شریف جس طرح احرف کی اجازت سے پہلے ایک ہی حرف پر لکھا جاتا تھا۔ اسی طرح احرف کی اجازت کے بعد بھی اس کی آیتیں اور سورتیں ہمیشہ اپنے اصلی محاورہ پر لکھی جاتی رہی ہیں۔ احرف کی اختلاط قرات سے اس کی کتابت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انہی آیات متفقہ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع کرایا۔ اور پھر عثمانؓ نے حرف بحرف اس کی نقلیں کرائیں۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ اگر مصحف صدیق رضی اللہ عنہ مختلف قراتوں کے الفاظ درج نہ ہوتے۔ تو پھر حضرت عثمانؓ نے یہ کیوں حکم دیا تھا۔ کہ قریش کا تبوں اور زبیدیں اگر کسی بات کا اختلاف ہو۔ تو اسے لسان قریش پر لکھیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ حکم محض احتیاطی تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا۔ کہ زمانہ نزول کلام مجید کی لکھی ہوئی آیتیں چونکہ متفق کا تبوں کے ہاتھ سے لکھی گئی تھیں۔ ان کی طرز تحریر میں اور خاص محاورہ کلام مجید میں کچھ اختلاف ہو۔ پھر چونکہ مصحف صدیق رضی اللہ عنہ میں ان کو زید نے جمع کیا تھا۔ اور وہ مدنی تھے۔ اس لئے یہ بھی ممکن تھا۔ کہ ان کی تحریر میں کوئی لفظ خلاف محاورہ قریش پر لکھا گیا ہو۔

لیکن ذمیرہ احادیث میں اس بات کی کافی شہادت موجود ہے۔ کہ تمام کلام مجید کی نقل میں

صرف ایک لفظ ثابت ہے قریش کا تبوں اور زید میں اختلاف ہوا تھا جیسے کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں آخر اسکو قریش رسم تحریر یعنی لمبی ت کے ساتھ لکھنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے سوائے اور کسی مقام پر کسی لفظ کے لکھنے میں جماعت کا تبان کلام مجید میں اختلاف نہیں ہوا۔ اس سے اور زید المینان ہوتا ہے۔ کہ زمانہ نزول کلام مجید میں گو مختلف کتابوں کے ہاتھ سے قرآن مجید لکھا جاتا تھا۔ مگر ان کی تحریر میں کچھ اختلاف نہ تھا۔ یعنی قرآن شریف کی تمام آیتیں وسوریں ہمیشہ محاورہ قریش ہی کی رسم تحریر پر ضبط ہوا کرتی تھیں؛

مروجہ سات قرآتیں

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ مصحف عثمانی صرف محاورہ قریش ہی کی رسم تحریر پر لکھا گیا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے حرف کے اندماج کو جائز نہیں رکھا گیا۔ اور بعد خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ عام تعلیم قرآنی سببہ احرف کی وسعت قرأت سے سمٹ سٹا کر صرف ایک ہی حرف قریش میں محدود ہو گئی تھی۔ تو اب سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ مروجہ سات قرآتیں کہاں سے پیدا ہوئیں۔ اور کیونکر جائز سمجھی گئیں؛

جاننا چاہئے کہ وہ سات قرآتیں جو عرب کے مختلف سات قبائل کے اختلاف لب و لہجہ سے پیدا ہوئی تھیں اور جن کی تجویز و تعلیم بذریعہ وحی (اِنَّمَا اُنْزِلَ اَحْرَوا لَی قرآتیں نہیں؛ اَلْقُرْآنُ عَلَی سَبْعَةِ اَحْشَفٍ) عمل میں آئی تھی۔ اور یہ

سات قرآتیں جو آجکل قاریوں کی زبان پر جاری ہیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ دونوں قرآتیں ایک نہیں ہیں۔ موجودہ قرأتوں کو سببہ احرف والی قرآتیں سمجھنا ہرگز درست نہیں بلکہ سنت غلطی ہے ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ سببہ احرف والی قرأتوں کے بعض الفاظ ان موجودہ قرأتوں میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ احادیث مستندہ و روایات مقبرہ کے ذریعے سببہ احرف والی قرأتوں کے تمام الفاظ کی فہرست تیار کرنا ایک مشکل بلکہ نامکن امر ہے۔ اسلئے کہ ان روایات میں ایسے الفاظ کا ذکر بہت کم آیا ہے۔ لہذا موجودہ قرأتوں میں سے سببہ احرف والی قرأتوں کے الفاظ کی الگ فہرست چھانٹنا بھی امر محال ہے۔ اور اصحاب قرأت نے اپنی قرأتوں کے ثبوت میں جو روایات پیش کی

ہیں۔ وہ اصول حدیث کے میزانِ اعتدال سے گری ہوئی ہیں۔ اس لئے موجودہ قرائتوں کی اصلیت کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا اگر ناممکن نہیں۔ تو آسان کام بھی نہیں ہے؛

قرأتیں سطح پیدا ہوئیں تفاسیر میں ان قرائتوں کے پیدا ہونے کے جو وجوہ بتائے جاتے ہیں۔ وہ اور بھی بعید از قیاس ہیں۔ مثلاً آتقان سیوطی میں ہے۔ (لا مصحف امام پر فقط) اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے۔ اس لئے مختلف بلاد میں ایک ہی کلمہ نے اختلافِ اعراب کے باعث کئی شکلیں پیدا کر لیں۔ جیسے تلک۔ تلک۔ تلک۔ ایسے ہی اعراب کے نہ ہونے کے باعث صرف نحو کے قواعد کے مطابق جو لفظ کئی طرح پر پڑھا جاسکتا تھا۔ اسے ایک مقام پر ایک قاری نے ایک اعراب کے ساتھ پڑھا۔ اور دوسرے نے دوسرے اعراب کے ساتھ۔

(۲) جو قراتیں اپنی طرزِ تحریر میں قرآن شریف کے الفاظ سے نہیں ملتیں۔ وہ سب احرافِ دالی قراتیں ہیں۔ انتہی (از اتقان)

رسن ایک اور صاحبِ تفسیر لکھتے ہیں۔ ایک کلمہ کو بطریقِ مثال یا بطریقِ تشریح یا تفسیر کسی نے حدیث کتاب پر لکھا۔ اور پھر وہ قرات میں داخل ہو گیا۔ (وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ - وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلْبَيْتِ) وغیرہ وغیرہ؛

مفسرین کی ایسی بے سرو پا تاویلات کو دیکھ کر ایک تعجب پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک کلمہ کو جس کے ثبوت میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ ایسے کلمہ مثلاً کا ہم پتہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو جبریل علیہ السلام لائے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہبطِ وحی نے ممبر پر چڑھ کر اس کا اعلان فرمایا۔ اور اپنی خاص نگرانی سے اس کو لکھوایا۔ حفاظ کو یاد کرایا۔ مدتِ العمر اس کی تلاوت فرمائی۔ اور دوسروں سے بھی سنا کئے۔ جس کی قرات لاکھوں صحابہ کرام سے نسلاً بعد نسل بطریقِ تواتر ہم تک پہنچی ہے۔ جس کے نسخے اس رسم الخط پر لکھے ہوئے آج ہمارے سامنے موجود ہیں جس رسمِ تحریر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بواسطہ تعلیمِ وحی اس کو لکھوایا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد قراتوں کی تعداد بالکل گھٹ گئی تھی۔ ایسے ہی تابعین نے بھی اس کی طرف چند ان توجہ نہیں کی۔ بعد میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی۔ جس نے قرات کو از سر نو رواج دیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہ ایک مستقل فن

بن گیا۔ اس لئے قرأت متلو کے سوائے دوسری قرأت کو قبول کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی معتبر اور یقینی شہادت ہونی چاہئے۔ صرف اسکی روایت کو کسی صحابی تک پہنچا دینے سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ قرأت جزو کلام مجید ہے۔ یا شل قرآن متلو ہے۔ قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

کیا نقطوں اور اعابوں کے نہ لکھنے اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ نقطوں اور اعابوں کے نہ ہونے سے قرأت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

ہم باور بندہ کہتے ہیں۔ کہ نقطوں اور اعاب کے ہونے یا نہ ہونے سے قرآن مجید کی قرأت اور اس کی عبارت میں کوئی ہرج نقص اور اختلاف واقعہ نہیں ہو سکتا۔ اول تو یہی خیال غلط ہے۔

کہ مصحف مجید بالکل نقطوں اور اعاب سے عاری تھا۔ البتہ یہ بات قابل تسلیم ہے۔ کہ بالاستیعاب اس میں نقطے اور اعاب نہیں تھے۔ کیونکہ عموماً اہل عرب ایجاز اور اختصار کو زیادہ پسند رکھتے

کلام مجید کی صحت کا مدار ہیں۔ اس لئے وہ ضرورت کے سوائے نہ تو نقطے دکاتے تھے۔ اور نہ اعاب دہن مبارک نبوی ہے

تاہم کلام مجید کی صحت کا مدار نہ تو اس کے اعاب ہیں۔ اور نہ نقطے۔ اور نہ ہی عربی مصطلح قواعد صرف دعو۔ یہ قواعد ایجا و بشر یہ ہیں اور کلمہ متلو جزو کلام قدیم ہے۔ جو کہ ایک ہستی لازوال خالق

علم و کلام کی زبان قدس سے نکلا۔ ہم تک پہنچا ہے۔ بلکہ کلام مجید کی قرأت کی صحت کا مدار اول اس کے اعتدال کا میزان حضرت ختم نبوت علیہ التحیۃ و التسلیم مہبط وحی کی زبان مبارک ہے پس

جس طرح اور جس انداز پر ایک کلمہ قرآن شریف کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلا ہے۔ وہ کلمہ اُسی انداز اور اُسی طرز پر ادا ہو۔ تو صحیح ہے ورنہ غلط۔ اور جس رسم تحریر پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ہے۔ اس کی تحریری صحت اسی رسم تحریر پر لکھے جانے سے ہی ہو سکتی ہے اور بس۔

کلام اللہ کی حفاظت پہنچلی بخشوں میں ہم بوضاحت لکھ آئے ہیں کہ قدرت الہی نے کلام مجید تحریر و حفظ سے ہوئی کی حفاظت کے لئے دو طرق معین کئے تھے۔ یعنی تحریر و حفظ۔ کہ جوں ہی

کوئی آیت نازل ہوتی۔ فوراً لکھ لیا جاتی۔ اور حفاظ کے زندہ دلوں کی لوگوں پر بھی کنہہ کر دی جاتی تھی۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں سارے کا سارا کلام مجید تحریر میں بھی

ضبط ہو گیا۔ جیسے کہ فتح الباری جلد ۹ میں ہے۔ وَقَدْ كَانَ الْقُرْآنُ كَمَا كُنْتَ تَقْرَأُ
 الدنبي صلی اللہ علیہ وسلم اور حفاظ کے سینوں میں بھی بصحت تمام جمع ہو گیا۔ اس کے بعد عہد
 ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جب متفرق تحریر دل کو ایک مصحف میں جمع کر دینے کا مسئلہ تجویز ہوا۔ تو اس وقت بھی
 اس کی صحت کا مدار تحریر و حفظ کی مجموعی شہادت ہی پر قائم ہوا۔ یعنی کاتب مصحف ایک آیت کو پہلے
 مخازن تحریر سے تلاش کرتا۔ اور پھر دوبارہ حفاظ کے سینوں میں سے جانچ پڑتال کے ضبط تحریر میں لے
 آتا۔ اور جب تک یہ دونوں شہادتیں متفقہ طور پر ایک آیت پر نہ گذر جاتیں۔ اس وقت تک وہ آیت
 مصحف مجید میں لکھی نہ جاتی تھی۔

اس کے بعد عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں جب مصاحف نقل کرائے گئے۔ اس وقت بھی اس
 دوسری شہادت سے کام لیا گیا۔ بعد ازاں تابعین و تبع تابعین سے لے کر آج تک جملہ اہل اسلام کا
 بھی بطریق قرائن اسی تجویز پر تعامل چلا آتا ہے۔ کہ آیات کی صحت میں کتاب اور حفاظ دونوں کی شہادت
 سے کام لیتے ہیں۔ تاریخ با آواز بلند شہادت دیتی ہے۔ کہ جہاں اسلام نے قدم بڑھائے ہیں۔
 وہاں حفاظ کی ایک جماعت بھی اُس کے ساتھ پہنچی ہے۔ کیا اسلام پر کوئی ایسا وقت بھی آیا ہے۔ کہ
 کسی جگہ مسلمان تو ہوں۔ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہو۔ لیکن انہیں پڑھانے والا قرآن دان کوئی
 بھی نہ ہو۔ پھر وہ لوگ خود بخود اس کلام مجید کو پڑھ لیں۔ اور اپنی تراش کی خواندہ پر ایسا وثوق کر لیں
 کہ بعد میں انکو نہ اس طرح سمجھا یا جائے۔ کہ اصل عبارت تنزیل اس طرح پر ہے۔ یہ اعراب غلط ہے
 مگر وہ اس سے نہ لیں۔ اور پھر لطف یہ کہ مفسرین ان کی تراش کو وحی متلو کا ہم پلہ بنانے میں کوئی
 دریغ نہ کریں پس یہ غلط بات ہے۔ کہ موجودہ قراءتیں مصحف امام پر نقطوں اور اعرابوں کے
 نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہیں۔ کیونکہ کلام مجید کی صحت کا مدار نہ غربت کا مصطلح عربی قواعد میں
 نہ صرف کتاب۔ بلکہ تحریر و حفظ دونوں کی مجموعی شہادت ہے۔

قراءت موجودہ کے پیدا ہونے کے اسباب

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ موجودہ قراءتوں کے پیدا ہونے کے اسباب امور ذیل معلوم

ہوتے ہیں:-

(۱) مصاحف عثمانی کے نسخے جب بحرین - شام یمن وغیرہ میں بھیجے گئے۔ اور ساتھ ہی ہر حکم بھی سنایا گیا۔ کہ آئندہ قرآن مجید کی تعلیم مصحف امام کے حرف ہی پر ہوا کرے۔ تو ان اصحاب و قرائن نے جو ہاں تعلیم قرآن کے لئے مستعین تھے۔ اس حکم کی تعمیل میں ایسے حروف تو ترک کر دیئے جو صرف کا محض امام کی رسم الخط کے خلاف تھے۔ لیکن بالاستیعاب نقطوں اور اعرابوں کے نہ ہونے سے انہوں نے ایسے حروف کو بحالہ قائم رکھا۔ جو مڑ کر رسم الخط کے تحت میں آسکتے تھے۔ اور یہ یقین کر لیا کہ اس قسم کی قرأت جائز ہے۔ مثلاً یَعْلَمُونَ کے بجائے تَعْلَمُونَ (بکسرائے فوقانی) اور ضعی اور سحی و قلی وغیرہ کا اِمالہ باوجودیکہ وہ قرآنہ خوب جانتے تھے۔ کہ یہ قرأت نہ قریش کے خلاف ہے۔

(۲) وہ الف کہ سی سے بدلا ہوا ہے مصحف امام میں اس کی کتابت ی سے کی گئی ہے۔ مثلاً یَتَوٰی یا حَسْرَتی۔ ایسے ہی بغرض تعلیم بعض جگہ الف کو و کی صورت میں لکھا ہے۔ جیسے صلوة زکوٰۃ وغیرہ۔ پس ممکن ہے کہ ایسے الفاظ کو کسی قاری نے اصل کلمہ اور کتابت دونوں کی رعایت پر ادا کیا ہو۔ یعنی اس کو الف و ی کے بین بین پڑھا ہو۔ اس قسم کے تلفظ کو یعنی رخ کو کسرہ کی طرف اور الف کو ی کی جانب بہت زیادہ مائل کر کے پڑھنے کو اِمالہ کہتے ہیں۔

ایسے ہی بعض الفاظ ایک مقام پر ایک صورت میں اور دوسرے مقام پر دوسری صورت میں لکھے گئے ہیں مثلاً مَلَاکِ یَوْمَ الدِّین - مَلَاکِ النَّاس - یُخَادِعُونَ یُخَادِعُونَ وَعِلْمًا وَاَعْدَا وَاغِیْرہ وغیرہ ناقص وادی کی و او بعض مقام پر الف سے لکھی گئی ہے۔ مثلاً اَلْقَصْفَا۔ شَقًّا اور بعض دوسری جگہ اس کے خلاف ہے۔ مثلاً ضَحٰی - سَحٰی - طَحٰی - زَحٰی - وغیرہ۔ ہم منقوص سے اکثر مقامات پر سی حذف ہوا ہے۔ جیسے باغ - و لاعاد - اِقْضِ مَا دَرْتِ قَاضٍ - ایسے ہی یائے منکلم کا حذف ہے۔ مثلاً اَطْلِعُوْنَ - وِعِید - بالواد - وغیرہ وغیرہ پس کسی قاری نے ایسے الفاظ کو محض اصل کلمہ کے لحاظ پر پڑھا ہے۔ اور کسی نے اصل و کتابت دونوں کی رعایت کے ساتھ اور کسی نے صرف کتابت کے لحاظ پر ادا کیا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کو اس قسم کے تلفظ میں کسی طرح کا شک تھا۔ یا یہ کہ انکو کوئی قرآن دان حافظ ایسا نہیں ملا تھا جس سے وہ اس قسم کے الفاظ کی صحت کر سکتے۔ نہیں بلکہ وہ لوگ قرآن مجید کو اصلی قرأت میں تو اپنے اساتذہ قرآن دان سے پڑھ چکے تھے۔ بعد ازاں الفاظ قرآنی میں اور ان کے ماخذوں

اور اصلیت پر غور و تدبر کرنے کے بعد اپنے اپنے قیاس سے وہ ان الفاظ کو خاص خاص طریق پر ادا کرنے میں کمال قرأت سمجھنے لگ گئے۔ اور جواز کے لئے یہ اصول بنالیا گیا کہ مُخفیف امام ان قراءتوں پر متمثل ہے۔ جن کا احتمال اس کی رسم الخط سے ہو سکتا ہے۔

ایسے ہی جب انہیں یہ ایک روایت مل گئی۔ کہ صفوان بن عسال کہتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یا ایحی) کو امانہ کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ تو انہوں نے اس تلفظ خاص کو قاعدہ کلیۃً قرار دے کر ایسے تمام کلمات میں فتح کو کسرو کی طرف اور الف کو یاء یا جی مائل کر کے پڑھنا جائز ٹھہرا لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن چونکہ اس ساری بحث کا مبنی محض قیاس و خیال ہے۔ لہذا وحی متلو اور اجتماعی قراءت کے مقابل میں ایسے حروف کی کچھ بھی تحقیق نہیں۔ جس لفظ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت امانہ کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ اس خاص لفظ کا امانہ تو صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے سوائے کسی دوسرے لفظ کا قیاساً امانہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی صحت یعنی اس کے الفاظ کی صحت تلفظ کے یہ معنی ہیں۔ کہ جس انداز و طرز پر رسول کریم مہبط وحی کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہیں۔ اس انداز پر ادا ہوں اور پس۔ بہر حال موجودہ قراءتوں کے پیدا ہونے یا رواج پانے کے کچھ ہی اسباب ہوں۔ اُن کے موجودہ صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین ان قراءتوں کو سب سے احرف والی قراءتیں کہنا ایک بلا دلیل دعوے ہے۔ اور بضر محال اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ موجودہ قراءتیں سب سے احرف والی قراءتوں کی یادگار ہیں۔ تاہم جبکہ یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المومنین عمر ابن الخطاب نے اپنے عہد خلافت میں قریشی قراءت کے سوائے دوسری تمام قراءتوں کے ترک کا فتویٰ دیا ہے۔ (اپنی رائے) قیاس۔ یا اجتہاد سے نہیں بلکہ عرضۃً اخیرہ کی مختار قراءت نبوی پر عمل کرنے کے لئے) اور عام قاریوں کو غیر محاورہ قریش پر قرآن پڑھانے کی ممانعت کی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلی بحثوں میں فتح الباری کی ایک روایت نقل کر آئے ہیں۔ کہ حضرت عمر نے جب یہ سنا۔ کہ ابن مسعود کو نہ میں لوگوں کو غیر محاورہ قریش پر قرآن پڑھاتے ہیں۔ تو انہوں نے ابن مسعود کے نام فرمان جاری کیا۔ کہ:-

(رفاقہی الناس بلغة قریش ولا تقرئہم بلغة ھذیل) مختصر یعنی لوگوں کو محاورہ قریش پر قرآن پڑھاؤ۔ لغت ہذیل پر ہرگز مت پڑھاؤ۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسی تجویز پر عمل کیا۔ اور تنہا اپنی رائے سے نہیں۔ بلکہ ائمہ قراء ابی۔ ہشام و حضرت علیؓ وغیرہم بلکہ تمام صحابہ کی مشورت ان کے اتفاق و اجماع سے یہ بات قرار پائی۔ کہ لوگوں کو ایک مصحف مجید پر جمع کیا جائے۔ یعنی عام قرأت کا مدار علیہ صرف ایک مصحف ٹھہرایا جائے جو لغت قریش کے مطابق ہو۔ تاکہ آئندہ اختلاف قرأت نہ رہے۔ پھر ویسے ہی عمل ہوا۔ تو اب ہمیں ان سے اختلاف کرنے کی کیا ضرورت ہے !

بعض سطی نظر کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ عہد عثمان میں صحابہ کا اجماع صرف کتابت مصحف اور اس کی رسم الخط پر ہوا ہے۔ وسعت قرأت کے خلاف کوئی اجماع نہیں ہوا مگر یہ کہنا قلت تدبر روایات پر مبنی ہے۔ وہ ایک خلیفہ برحق حضرت عمر بن الخطاب و عثمان رضی اللہ عنہما کے فرمان کی لغویت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ معاذ اللہ منہ۔ وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ مصحف مجید تو پہلے بھی ایک ہی تھا۔ احرف کی اجازت کے بعد بھی ایک ہی رہا۔ پھر عہد عثمان میں لوگوں کو مصحف واحد پر جمع کرنے کا کیا مطلب ہوگا کیا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔ کہ مصحف مجید میں تو حتیٰ حین لکھا ہو۔ اور لوگ غٹے حین بلغة ہذیل پڑھا کریں۔ اور کہا جائے۔ کہ ان کا یہ پڑھنا مصحف امام کے مطابق ہے۔ ہرگز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ لوگوں کو مصحف واحد پر جمع کرنا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کچھ مصحف مجید میں لکھا ہو۔ قرأت میں وہ ایسے ہی ادا ہو۔ تاکہ اگر دو شخص کلام مجید کے کسی لفظ کے پڑھنے یا اس کے تلفظ کے ادا کرنے میں اختلاف کریں۔ تو انہیں مصحف مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے جس کی قرأت مصحف پاک کے مطابق ہو۔ وہی صحیح سمجھی جائے۔ الغرض جبکہ جلیل القدر صحابہ کی ایک جماعت نے جس کا ایک ایک فرد صاحب اجتہاد تھا۔ بالاتفاق و بالا جماع عام احرف کو ترک کر کے قرآن شریف کی عام تعلیم کو صرف ایک محاورہ قریش (قرأت نبوی) ہی میں محدود کر دیا ہے۔ باوجودیکہ وہ ہم سے زیادہ قرآن دان اور ماہر حقائق احرف تھے۔ اور پھر جن لوگوں کو اپنے اپنے

حروف پقرآن کے پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے بہادروں کو
 چھوڑ کر قرأت فروش ہی پر قرآن مجید کا بڑھنا اختیار کر لیا۔ اور اس پر بھی تمام امت کا
 اتفاق ہے۔ کہ صحابہ کرام صاحب اجتہاد تھے اور ان کی رائے امور دین میں ہمیشہ سوا
 پر رہی ہے۔ تو پھر اب ہمیں از سر نو اجماع صحابہ کے برخلاف ان ہجومہ و متروکہ قرأتوں
 کے رواج دینے کی کیا ضرورت ہے پس یہ قرآن شریف جو آج ہمارے ہاتھوں میں موجود
 ہے۔ وہی کلام مبارک ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ مدتِ العمر
 آپ صلعم نے اس کی تلاوت فرمائی۔ نمازوں میں پڑھا۔ لکھوایا وہ جس طرح سبعا حروف
 کی اجازت سے پہلے ایک تھا۔ اور قرشی لغت پر شامل تھا۔ اجازتِ حروف کے بعد
 بھی وہ ایک ہی ہے۔ اس اجازت سے اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی۔ نہ
 اسکی تحریروں کوئی تغیر و فرق آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسی کو نمازوں میں پڑھا۔ مصحف مجید
 میں جمع کر لیا۔ جس کی نقیض حضرت عثمانؓ نے حرف بحرف کرائیں۔ اور اس کی تعلیم کی
 اجازت دی۔ مشرق سے مغرب۔ شمال سے جنوب تک اتنی وسیع دنیا میں اسقدر
 عرصہ و زمانہ کے درمیان ہزار ہا مذہبی نزاعوں اور قومی اختلافوں کے ہوتے ہوئے کوئی
 ایک نسخہ کلام مجید کا ایسا نہیں دکھایا جاسکتا۔ جس میں قرأت قریش کے سوائے دوسرے
 دوسرے کسی حرف کے ایک نقطہ کے اندراج کو جائز رکھا گیا ہو۔ مسلمانوں میں ایسے ایسے
 فرقے ہو گزرے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن رہے ہیں۔ اور یہ بھی دعوے
 کیا ہے۔ کہ قرآن میں سے بعض حصص نکال دیئے گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی
 اسی نسخہ کلام مجید کو پڑھا۔ اور پڑھایا اس کے خلاف کوئی نسخہ قرآن پیش نہیں کیا
 جس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ سب سے حروف دلی قرأتیں ہوں۔ خواہ موجودہ
 قرأتیں کبھی کسی نے وحی متلو کے مقابل سمجھا کہ ان کو قرآن مجید کے اندر داخل نہیں
 کیا۔ کیا وجوہات اس بات کے لئے کافی ثبوت نہیں ہیں۔ کہ اصل محاورہ کلام مجید کے
 سوائے دوسرے حروف کی خواہ کچھ ہی حقیقت ہو۔ کسی زمانہ میں وحی متلو کا ہم پلہ
 نہیں سمجھے گئے۔ اور کسی قاری نے ان کو جزو کلام مجید تصور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ

اپنی قراتوں کو مثل وحی متلو جنہ کلام مجید سمجھتے۔ تو پھر انہیں اپنی قراتوں کو اپنے نسخہ کلام مجید میں لکھ لینے سے کون منع تھا۔ پس مصحف امام کی قرات رکہ دراصل قرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرات جبریل علیہ السلام و قرات قرآن ہے (متفق علیہ کے مقابل میں کسی دوسری قرات کے قبول کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی مقبر اور یقینی شہادت ہونی چاہیے۔ وَالْحَقُّ عِنْدَ اللَّهِ ۝

احرف کے متعلق تحقیق فقہاء و محدثین و مفسرین کا فتوہ

فرید بصارت و اطمینان قلب کے لئے ذیل میں ہم چند محقق و مستند فقہاء و محدثین و مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہیں :-

علامہ صاحب فتح الباری کا قول عَلَّمَ مَصَاحِبُ فَتْحِ الْبَارِي ابْنِي تَرْجِيحَ نَجَارِي فِي كِتَابِهِ فَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ وَرُودَ التَّخْفِيفِ بِذَلِكَ كَانَ بَعْدَ اِهْجَرَتْ كَمَا تَقَدَّمَ فِي حَدِيثِ ابْنِ كَعْبٍ أَنَّ جِبْرِيلَ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عِنْدَ اِمْتَاةٍ بَنِي غِفَارٍ اَلَمْ يَأْمُرْهُ بِمَا نَادَاهُ بَنِي غِفَارٍ هُوَ سَتَفْعُ الْمَاءِ كَالْعَذِيرِ وَهُوَ مَوْضِعٌ بِالْمَدِينَةِ النَّبَوِيَّةِ - (فتح الباری جلد ۹ بحث باب انزل القرآن علی سبعة احر) ترجمہ۔ روایات سے ثابت ہے۔ کہ قرآن کی تسہیل کا ورود و ہجرت کے بعد ہوا ہے۔ جیسے کہ ابی بن کعب کی حدیث میں بیان ہوا۔ کہ جبریل علیہ السلام جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (سبہ احر کی اجازت لیکر) آئے۔ آپ سلم بنی غفار کے جوڑ کے پاس تھے اُن پھر گئے لکھتے ہیں۔ احنوہ جوڑ میں نہانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور احنوہ بنی غفار مدینہ نبوی میں ایک مقام کا نام ہے ۛ

بغوی کا قول الْمَصْحَفُ الَّذِي اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْاَمْرُ هُوَ اخِرُ الْعَرَضَاتِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَامْرُؤَانِ بَنِي نَسْرٍ فِي الْمَصْحَفِ وَجَمْعُ النَّاسِ عَلَيْهِ وَازْهَبَ مَا سِوَايَ ذَلِكَ قَطْعًا لِسَادَةِ الْخِلَافِ فَصَارَ مَا يَخْلُفُ خَطًّا الْمَصْحَفِ فِي حُكْمِ الْمَنْسُوخِ وَالْمَرْوُوعِ كَسَائِرِ مَا تَسِيخُ وَرَفَعَ تَلْيِيسَ لَاحِدٍ اَنْ

يَعْدُو فِي اللَّفْظِ إِلَى مَا هُوَ خَارِجٌ عَنِ التَّحْقِيقِ - (شرح سنہ) یعنی مصحف مجید جس پر اجماع ہوا۔ وہی مصحف ہے جسکو جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ علیہ وسلم پر آخری مرتبہ میں پیش (دور) کیا ہے حضرت عثمانؓ نے اسی مصحف کو مصاحف میں نقل کرنے کا حکم دیا۔ اور اسی کی قرأت پر لوگوں کو جمع کیا۔ اور اس کے سوا دوسری تمام تحریروں کو رجن میں آیات کہی ہوئی تھیں قطع خلاف کے لئے ضائع کر دیا۔ پس وہ تمام قرأتیں جو اس مصحف امام کی رسم الخط کے مخالف ہیں۔ سب منسوخ و مرفوع کے حکم میں ہیں۔ مثلاً دوسرے احکام مرفوعہ و منسوخہ کے۔ اب کسی کے لئے ایسے لفظ (حرف) کی طرف تجاوز کرنا ہرگز جائز نہیں۔ جو مصحف امام کی رسم الخط سے خارج ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰)

عَنْ شَرَحِ السَّنَةِ
عَلَامَةُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ كَا قَوْلِ عَلَامَةُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ ابْنِ شَرْحِ نَجَّارٍ يَسْكُنُ هِيَ بَاقِيَةٌ
 إِلَى الْآنَ يَقْرَأُ بِهَا أَمَّامُ كَانْ ذَلِكَ ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى بَعْضِهَا وَالِى الثَّانِي ذَهَبَ الْأَكْثَرُ
 كَسَفِيَانِ بْنِ عَيْنِيَّةَ وَابْنِ وَهْبٍ وَالطَّبْرِيَّ وَالطَّحَاوِيَّ
 وَهَلْ اسْتَقَرَّ ذَلِكَ زَمَنَ النَّبِيِّ أَمْ بَعْدُ وَالْأَكْثَرُ عَلَى الْأَوَّلِ وَاخْتَارَهُ الْقَاضِي
 أَبُو بَكْرٍ بْنُ الطَّيِّبِ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَابْنُ الْعَرَنِيِّ وَغَيْرُهُمْ
 لِأَنَّ ضَرُورَةَ اخْتِلَافِ اللُّغَاتِ وَمَشَقَّةَ نَطْقِهِمْ لِغَيْرِ نَعْتِهِمْ اِخْتِصَارَ التَّوَسُّعِ
 عَلَيْهِمْ فِي أَدْلِ الْأَمْرِ فَإِذَا كَانَ يَفْرَعُ عَلَى حَرْفِهِ أَيْ طَرِيقَتِهِ فِي اللَّغَةِ أَلَيْ
 أَنَّ الضَّبْطَ الْأَمْرَ وَقَدْ تَمَّ بَتِ الْأَكْثَرُ وَتَمَلَّكَ النَّاسُ مِنَ الْاِقْتِصَارِ عَلَى
 الطَّرِيقَةِ الْوَحِيدَةِ فَعَادُضَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الْقُرْآنَ مَرَّتَيْنِ فِي السَّنَةِ الْأَخْيَرَةِ وَاسْتَقَرَّ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ الْآنَ فَنَسَخَ اللَّهُ
 تَعَالَى بِذَلِكَ الْقُرْآنَ الْمَأْذُونِ فِيهَا بِمَا أَوْجِبَهُ مِنَ الْاِقْتِصَارِ عَلَى هَذِهِ
 الْقُرْآنِ الَّتِي تَلَقَّاهَا النَّاسُ (قسطانی شرح بخاری جلد ۹ باب انزل القرآن بلسان قریش)
 یعنی کیا وہ (سبعہ) حرف (دو) قرأتیں (اب تک) موجود ہیں۔ اور بڑھی جاتی ہیں۔ یا نہ
 کہ وہ ابتدا سے اس میں رائج ہوئیں۔ اور پھر کسی ایک حرف کو اختیار کر لیا گیا۔ سفیان

بن عیینہ و ابن وہب بطبری و طحاوی - اسی دوسری شق کے قائل ہیں۔ پھر آگے چلکر سب سے حرف واحد کی طرف رجوع کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہوا ہے۔ یا بعد میں۔ اکثر اہل علم پہلی شق کے قائل ہیں۔ قاضی ابوبکر بن الطیب و ابن عبد البر و ابن عربی وغیرہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس نے کہ اختلاف مکاویہ اور ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے کے نعت پر پڑھنے کی مشقت ابتدائے امر میں وسعت قرأت کی مقتضی ہوئی تھی جس پر ہر ایک قبیلہ کو اپنے اپنے مکاویہ پر پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ یہاں تک کہ قرأت صاف ہو گئی اور زبانیں منج گئیں۔ اور نعت واحدہ پر قرآن شریف کے پڑھنے پر لوگ قادر ہو گئے۔ تو نبوت کے آخری سال میں جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے قرآن پیش کیا (دور کیا) اور اس نعت پر قرآن قائم ہوا جس پر وہ آج کل موجود ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے باقی ان تمام قراءتوں کو جن پر پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ اس قرشی نعت کے نفاذ ہونے کے باعث منسوخ کر دیا۔ (مستطانی شرح بخاری جلد ۹)

ابن جریر طبری کا قول طبری کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے۔ کہ حرف قریش کے سواے دوسرے حروف جواب قرآن میں نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ ترک کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان کی تعلیم بواسطہ وحی میں آئی تھی۔ تو ہم کہیں گے۔ **الْأُمَّةُ أُمِرَتْ بِحِفْظِ الْقُرْآنِ وَقُرْآنُهُ وَخُيِّرَتْ فِي قُرْآنِهِ بِأَلْفِ أَحْكَافِ السَّبْعَةِ شَاءَتْ** قرأت یعلیٰ مِنَ الْعِلَلِ وَحِثَ عَلَيْهَا التَّبَاتِ عَلَى أَحْكَافِ وَاحِدَةٍ قُرْآنُهُ بِحَرْفِ وَاحِدٍ وَتَنْصُصُ الْقُرْآنُ بِالْأَحْكَافِ السَّتَةِ الْمَبْقِيَةِ وَذَلَّتْ فِيمَا فَعَلَ مِنْ ذَلِكَ التَّشْدُّ وَالْهَدَايَةُ فَتَرَكَ الْقُرْآنُ بِالْأَحْكَافِ السَّتَةِ الَّتِي عَزَمَ عَلَيْهَا إِمَامُهَا الْعَلِيلُ فِي تَرْكِهَا طَاعَةً مِنْهَا لَهُ وَنَظَرَ مِنْهَا لِنَفْسِهَا وَلَمِنْ بَعْدُهَا مِنْ سَائِرِ أَهْلِ مِلَّتِهَا حَتَّى دَسَّسَتْ مِنْ الْأُمَّةِ مَعْرِفَتَهَا وَلَعَقَتْ أُنَارَهَا فَلَا مَسِيلَ لِأَحَدٍ الْيَوْمَ إِلَى الْقُرْآنِ بِهَا مِنْ غَيْرِ حُجُودٍ مِنْهَا مَعْتَمَدًا - فَلَا قُرْآنَ الْيَوْمَ لِلْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِالْحَرْفِ الْوَاحِدِ الَّذِي اخْتَارَ لَهُمْ إِمَامُ هُمْ وَشَفِيقُ النَّاسِ دُونَ مَا عَدَا مِنْ أَحْكَافِ السَّتَةِ

اُبَاقِيَّةٌ - فَلَمْ يَكُنْ الْقَوْمُ يَتْرَكُهُمْ نَقْلَ جَمِيعِ الْقُرْآنِ السَّبْعِ تَأْكِينِ مَا كَانَ عَلَيْهِمْ نَقْلُهُ بَلْ كَانَ الْخَاجِبُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِعْلِ مَا فَعَلُوا (تفسير ابن جریر جلد ۱) یعنی اُنہ کو قرآن کے حفظ اور اس کی قرأت کا حکم ہو۔ اور یہ اختیار دیا گیا۔ کہ سببِ احرف میں سے جس حرف پر چاہیں۔ قرآن پڑھیں۔ بھری کسی مانع کو دیکھ کر اُمت نے ایک حرف کی قرأت کو اختیار کر کے باقی چھ حروف کی قرأت ترک کر دی۔

آگے چلکر۔ پھر اُمت نے حضرت عثمانؓ کی اس کارِ معانی میں رُشد و ہدایت کو دیکھ کر اپنی خوشی سے ان چھ حروف کی قرأت ترک کر دی۔ جس کے ترک کا ارادہ امام عادل نے ظاہر فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ متروکہ حروف بالکل بھول گئے۔ اور اس کے آثار و علامات تک بھی مٹ گئے۔ اب ان حروف پر پڑھنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لئے کہ وہ بالکل مٹ چکے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ یکے بعد دیگرے مسلمان ان کی قرأت ترک کرتے چلے آئے ہیں۔ باوجودیکہ ان حروف کی صحت پر کسی کو انکار نہیں تھا۔ لہذا اس وقت تمام مسلمانوں کی قرأت اسی حرفِ واحد پر ہے۔ جسے اُمت کے شفیق و ناصح امام نے اختیار کیا ہے۔ سوائے ان متروکہ چھ حروف کے۔

آگے چلکر۔ احرف کی اجازت بطریقِ رخصت تھی۔ اور اُمتِ مخیر سنی کی جس حرف پر چاہے قرآن پڑھے۔ پھر جب اس نے حرفِ واحد لفظِ قریش۔ صلِ معاوۃٰ تَنْزِیلِ پر اجماع کر لیا۔ تو اس کو باقی حروف کے ترک پر تاہین احرف نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اُمت پر ان حروف کا ترک کرنا ہی ضروری تھا۔ (فَلَمْ يَكُنْ الْقَوْمُ يَتْرَكُهُمْ نَقْلَ جَمِيعِ الْقُرْآنِ السَّبْعِ تَأْكِينِ مَا كَانَ عَلَيْهِمْ نَقْلُهُ بَلْ كَانَ الْخَاجِبُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِعْلِ مَا فَعَلُوا)

خلاصہ تفسیر ابن جریر جلد ۱)

قاری ابو شامہ کا قول قال ابو شامہ ظنَّ قَوْمٌ أَنَّ الْقُرْآنَ السَّبْعَ الْمَوْجُودَةَ اَلْاَنَّ هِيَ الَّتِي اُسْرِدَتْ فِي الْحَدِيثِ وَهُوَ خِلَافُ اَجْمَاعِ اَهْلِ الْعِلْمِ قَبْلَهُ اِنَّمَا يَظُنُّ ذَٰلِكَ بَعْضُ اَهْلِ الْجَهْلِ -

وَأَمَّا مَنْ ظَنَّ أَنَّ ضَرَأَةً هُوَ لَا عَرَفَ الْقُرْآنَ كَنَافِعٍ وَعَاصِمٌ هُوَ لَا حَرْفَ

السبعة التي في الحديث فقد غلطاً عظيماً (فتح الباری)

یعنی ابوشامہ کہتے ہیں۔ ایک قوم کا من ہے۔ کہ یہ سات قرأتیں جو آجکل رائج ہیں۔ وہی سبع قرأت ہیں۔ جو احرف کی حدیث سے مراد لی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ خیال یقیناً اہل علم کے اجماع کا برخلاف ہے۔ بلکہ یہ خیال جہلاً کا ہے۔ آگے چلکے جس نے یہ خیال کیا۔ کہ مثلاً قاری نافع و عاصم وغیرہ قاریوں کی قرأتیں سبہ احرف والی قرأتیں ہیں۔ پس اس نے سخت غلطی کی ہے۔ (فتح الباری ناقلاً عن ابوشامہ)

عَلَامٌ صَاحِبُ كُلِّ الْأَثَرِ كَقَوْلِهِ فَاضِلٌ لِحَاوِي كُنْتُمْ يَسْ - وَكَانَ قِيَمًا ذَكَرْنَا مَا قَدَّحَلْ
أَنْ مَنَ صَنَافٍ شَيْدًا تَحَايَا لَفَ مَا فِي مُصْحَفِنَا هَذَا اَلْأَحَدِ مِنْ أَصْحَابِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَيْرُ مُلْتَفَاتٍ اَلْأَحَدِ اَلْأَكْثَرُ حَتَّى مَا لَا
يَقُومُ بِهِ الْحُجَّةُ مُشْكِلُ الْأَثَرِ لِحَاوِي

یعنی ہم نے جو بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ایک ایسی قرأت کسی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے۔ جو اس صاحب مصحف کی قرأت (نفع قریش) کے خلاف ہے۔ تو اس کی بات نہ مانی جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایسی بات بیان کی ہے۔ جس سے حجتہ نہیں ہو سکتی۔ (طحطاوی)

اس کے سوائے اور بھی بہت سے محققین کی عبارتیں اور ان کے اقوال ہمارے پاس موجود ہیں۔ لیکن بخوف طوالت ہم انہیں درج نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اثبات دعویٰ کے لئے اس سے زیادہ شہادت کی ضرورت نہیں۔ وَالْحَقُّ عِنْدَ اللَّهِ

قرآن مجید کی رسم الخط اور اس کی کتابت

ہم اس سے بحث نہیں کرنا چاہتے۔ کہ عربی تحریر کا کون مؤجد ہے۔ اور وہ کب سے قائم ہوئی ہے۔ بہر حال جب کلام مجید کا نزول ہوا ہے۔ اس وقت اہل عرب

لے ابوشامہ یعنی علامہ شہاب الدین ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم مقدس دمشقی بخاری بخاری کے شاگردوں سے ہیں۔ عن قرأۃ یس آپ کے تصانیف مستند مانے جاتے ہیں (سر جمال)

لکھنے پڑھنے میں کامل متفق تھے۔ اور ان کی تحریر و کتابت خواہ کسی اصول پر ہو
مضمون کے ادا کرنے میں نہایت شستہ اور مستحکم تھی۔

اہل تاریخ کا خیال ہے۔ کہ عربی خط۔ خط سریانی و منسوب بہ سوریائیے شام سے
ماخوذ ہے۔ اور اہل بین اس کے وضع ہیں۔ جو اپنی تجارتی ضروریات کے باعث
شام میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے
ہیں۔ عربی خط کی ایجاد تین شخصوں نے کی ہے۔ مرنار نے حروف کی شکلیں ایجاد
کیں۔ اسلم نے باہمی جوڑ ملانے کا طریقہ اور عامر نے نقطے اور حرکتیں قائم کیں۔
ابن خلدون کہتے ہیں۔ دولت تباہیہ کے عہد میں خط عربی ضبط استحکام میں لایا
دینہ پر پہنچا ہوا تھا۔ اس خط کا نام خط قمیری ہے۔ وہاں سے یہ خط حیرہ میں
منتقل ہو کر خط حیری کے نام سے موسوم ہوا۔ وہاں سے مکہ و طائف والوں نے
سیکھا۔ اور نزدک کلام حیری کے زمانہ میں اہل مکہ لکھنے پڑھنے میں کامل مہارت رکھتے
تھے۔ اور نقطے و اعراب بھی عربی خط کے ساتھ ہی ایجاد ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ
خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس و اثنیٰ اسکندریہ کے نام لکھوایا تھا۔
جو اس وقت صومعہ مصر سے منتقل ہو کر اب دارالسنۃ و دارالاسنادہ میں موجود ہے۔ جس کے
اصلی ہونے میں کچھ بھی شک نہیں۔ اہل یوسپ کہتے ہیں کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے خاص میراثی (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کا لکھا ہوا ہے جس کی متعدد
عکسی نقیسیں لی گئی ہیں) اس خط مبارک میں برابر نقطے لکھے ہوئے ہیں۔ جس سے
یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ زمانہ نزول کلام مجید میں عربی خط نقطوں و غیرہ ضروریات خط سے
بالکل آراستہ و براستہ تھا۔ البتہ کبار عرب چونکہ فن کتابت کو شل خیاطت و
صبغت و حیاکت حقیر پیشہ تصور کرتے تھے۔ اور اسے خصوصیات علموں میں
سے شمار کرتے تھے۔ اس لئے وہ ہمیں حیران مہارت پیدا نہیں کرتے تھے اور
خاص ضرورت کے سوائے حرکتوں کے استعمال کو بھی ناپسند رکھتے تھے۔ اور اہل
عرب کیلئے اس کی چنداں حاجت بھی نہ تھی۔ لیکن بعد میں جب عجم کی زبان پر قرآن

ٹپھا جانے لگا۔ تو اعراب اور نقطوں کی ضرورت محسوس ہوئی رانتہی)

جب پہلے نصر بن عاصم و ابوالاسود دہلی نے حکم عبدالملک بن مردان ایسے کلام مجید لکھے۔ جس میں بالاسیحاب نقطوں اور حرکتوں کا خیال رکھا گیا۔ اس سبب سے عوام میں یہ مشہور ہے۔ کہ نصر بن عاصم کو فی اور ابوالاسود نقطوں اور حرکتوں کے موجد ہیں۔ بعد میں علامہ خلیل بن احمد نخوی نے اعراب کی شکلوں میں اصلاح کی۔

کلام مجید کے حروف کی موجودہ شکلیں پس جب کلام مجید کا نزول ہوا۔ اور اس کے الفاظ و بعینہ لوح محفوظ کی شکلیں ہیں کلمات پر کتابت کا لباس پہنا یا گیا۔ اور اس پر بزبان رسالت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ نزول وحی کا زمانہ ہے) کسی طرح کا اصلاحی تغیر واقع نہیں ہوا۔ تو یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ بیشک جس لفظ یا حرف کی جو شکل قائم ہوئی ہے۔ بعینہ وہ لوح محفوظ کی شکل ہے جسکو تقدیر الہی نے اپنی قدرت کے ہاتھوں سے نقش کیا ہے۔ اور اس کے سوائے کسی دوسری شکل کا اس کے لئے قائم کرنا بالکل غلط اور بے معنی ہے۔ مصحف مجید میں جہاں کہیں ایک لفظ و مقاموں میں دو مختلف صورتوں میں لکھا گیا ہے۔ اس کے اختلاف صورت میں ایک سرسبہ راز ہوتا ہے۔ جسے ہر ایک ظاہر بین شخص سمجھ نہیں سکتا۔

ابوالعباس کا قول صاحب لقمان ابوالعباس مراکشی کی کتاب عنوان الدلیل فی مراسم خط التنبیل سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک لفظ کی مختلف صورتیں اس کے معنی کے اختلاف کی مظہر ہوتی ہیں یعنی ان حروف کے لفظی اختلاف کا باعث ان کے کلمات کا معنوں میں مختلف ہونا ہے۔ یعنی جس جگہ ایک کلمہ کے ایک معنی مراد ہیں۔ وہاں اس معنی کے مطابق اس کا لفظ رکھا گیا ہے۔ اور جس مقام پر وہ معنی بدل گئے ہیں۔ وہاں اس کی لفظی صورت بھی مانی ہوئی ہے۔ (رانتہی) (از القان)

امام مالک کا ارشاد مصحف امام کے اس رسم الخط کے متعلق جو بظاہر علمائے نحو کے مقرر کردہ اصول کے خلاف ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا۔ کہ آیا مصحف مجید کو رسم الخط کے متعلق

اس مصطلح قواعد پچا کے موافق لکھنا چاہئے۔ تو امام نے جواب دیا: کہ نہیں، بلکہ اس کو اُسی پہلی کتابت کے انداز پر لکھنا چاہئے۔ اس قول کو والدانی نے المقنع میں اشتہاب سے روایت کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے کہا۔ کہ اس قول کا علمائے امت میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

اس راوی نے دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ سے واؤ۔ اور الف کی مانند قرآن شریف میں سے حذف کرنے کی نسبت پوچھا گیا۔ کہ آیا تمہاری رائے ہے۔ کہ اگر مصحف میں اس طرح پایا جائے۔ تو اس کو مستغیر کر دینا چاہئے۔ امام نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں۔ ابو عمر کہتا ہے۔ اس سے وہ واؤ اور الف مراد ہیں۔ جو مصحف مجید کی رسم الخط میں ناہید ہیں۔ اور تلفظ میں ان کی آواز نہیں آتی۔ مثلاً اُولو میں واقعہ شدہ واؤ اور الف۔

امام احمد کا فتوے اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ واؤ۔ الف۔ ہی وغیرہ کے رسم الخط کے متعلق بارے میں مصحف عثمانی کی رسم الخط کی مخالفت حرام ہے۔

بہت سی شعبہ الایمان میں لکھتے ہیں۔ جو شخص مصحف کو لکھے۔ اس کے لئے سزاوار ہے۔ کہ وہ انہی حروف تہجی کی حفاظت کرے۔ جس کے ساتھ صحابہ کرام نے ان مصحف کو لکھا ہے۔ اور اس میں ان سے خلاف نہ کرے۔ اور ان کی لکھی ہوئی چیز میں سے کسی شے کو مستغیر نہ کرے۔ اس واسطے کہ وہ لوگ بہ نسبت ہمارے بہت زیادہ علم رکھتے تھے۔ ان کے قلب اور ان کی زبانیں بہت صادق تھیں۔ وہ امانت میں ہم سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ کبھی مناسب نہیں۔ کہ ہم اپنے آپ کو ان کی کمی کو پورا کرنے والا گمان کریں۔

رسم الخط کے خلاف پریرید بن جبیت مروی ہے۔ کہ عروین العاص (والی مصر) کے کاتب تازیانہ کی سزا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھتے ہوئے اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سین کو ظاہر نہ کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو تازیانہ کی سزا دی۔

مُحْصَفِ اِمام کی سَم الخط میں سَدرجہ ذیل چُھ اَصُو قِابِل غور ہیں۔

(۱) حذف (۲) زیادتی۔ (۳) ہمزہ لانا (۴) بدل ٹانا۔ (۵) وصل کرنا اور فصل ڈالنا۔ (۶) وہ لفظ جس میں دو قُرأتیں آئی ہوں۔ مگر ایک لکھی گئی ہے۔

اصل اَوّل حذف

الف سَدرجہ ذیل مقامات سے اکثر حذف ہوتا ہے۔

- (۱) - یا حرف ندا سے - یا اَيُّهَا الَّذِيْنَ - يٰلَا اُمّ - يٰعِبَادِىْ - يٰمُوسٰى -
- (۲) - حائے تنبیہ سے - مَثَلُ هٰؤُلَاءِ - هَآ اَنْتُمْ -
- (۳) - ناسخِ مشرک سے بمعیت ضمیر دوم - اَخْبَيْنٰكُمْ - حَسْرَتُنْهُمْ - حَفَقْنٰهُمْ - اَنْزَلْنٰهُ -

(۴) حرف لام کے بعد واقعہ ہونے والا - لَكِنْ - اُولٰٓئِكَ - خِلْفَ - سَلِمَ - اِيْلَافٍ -

(۵) دولاہوں کے درمیان واقعہ ہونے والا - خِلَلَةَ - خِلَالِ اللّٰہِ یَا رِ -

(۶) تین حرف سے زائد حرف والے علم میں واقع ہونے والا - اِبْرٰہِیْمَ - اِسْمٰعِیْلَ -

اِسْتَحَقَّ - مِثْلُ - رَحْمٰنِ مَگر جَانَوْتُ - هَامَانَ - هَارُوْتُ وَمَارُوْتُ

یا جَوْجِ مَا جَوْجِ بھی آئے ہیں۔

اور واو میں سے اسلئے حذف نہیں ہوا۔ کہ اس کا واو حذف ہو چکا ہے اور

اسرائیل میں سے ہی حذف ہوا ہے۔

حرف قی کا حذف - یہ حرف اکثر ایسے اسم منقوص سے حذف ہوتا ہے۔ جو کہ

مَمْنُوْنٌ سِوًّیْ دَفْعًا یَا جَبْرًا - مَثَلُ بَاغٍ - عَادٍ - اِقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ -

اور اکثر جگہ اَطْلِیْعُوْنَ - خَانُوْنَ - اَلْهَبُوْنَ - اَعْبُدُوْنَ سے بھی حذف

ہوا ہے۔ ایسے ہی اَخْشَوْنَ - کَبِدُوْنَ - کَذَّبُوْنَ - وَعَبِدِ - بِالْوَادِ -

يُحْدِثِينَ دِغْرُو سے بھی

حرف واؤ کا حذف واؤ - دوسری واؤ کے ساتھ مثل مقامات ذیل میں حذف ہوئی ہے۔ کَاسْتَوْنَ - فَاوْ - يُوْسَا دِغْرُو
حرف لام کا حذف - لام مدغم اپنے مثل میں - مثل الذی - اللّٰهُ - الْخَو -

اصل دوم - زیادتی

اسم مجموع کے آخر میں واؤ جمع کے بعد ایک الف زاید لکھا جاتا ہے - مثل بنوا اسرائیل - مُلَاثَوْا -

لیکن جمع مرفوع و منصوب کے آخر میں بعض مقامات پر الف نہیں لکھا گیا - اور بعض جگہ لکھا گیا ہے - مثل عَتَوْا - فَاوْا - عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوْا عَنْهُمْ مَسْعُوْا فِيْ اَيْتِنَا - جَاوْا -

ہمزہ کے بعد سی کی زیادتی مثل مَبَايِ الْمُرْسِيْنَ - اِنَّا نَايِ السَّيْلِ - تِلْقَايِ نَفْسِيْ
ہمزہ کے بعد واؤ کی زیادتی - مثل سَاوْرِيْكُمْ - اُدْوَا -

اصل سوم - ہمزہ لانا

(۱) ہمزہ ساکن اپنے ماقبل کی حرکت کے ساتھ لکھا جاتا ہے - اول کلمہ میں واقعہ ہو خواہ وسط میں خواہ آخر کلمہ میں مثلاً - اَيُّدُنْ - اَوْمِنَ الْبَاسَا - اِقْرَأْ - جِيْدَاكَ -

(۲) ہمزہ متحرک اگر اول کلمہ میں ہے یا اس کے ساتھ کوئی حرف متصل ہوا ہے اس کی کتابت مطلقاً الف کے ساتھ ہوگی - یعنی اس کی کتابت حرکت کے اعتبار پر نہ ہوگی

مثلاً الْيُوب - اِدَا - اَتُوا - سَاخَرَفْ - فَيَايْ - سَاَنْزِلْ - اور بعض جگہ اس کے خلاف حرف سی پر بھی ہوئی ہے - اُنِيْكُمْ اَيْنَا لَتَا رَكُوْا - اَيْنَا

مِثْلًاوَمِثْلِيْ دِغْرُو - اور بعض بصورت واو ہے - مثل هُوْكَوْا - اَوْفِيْكُمْ

ایسے ہی ہمزہ متحرک اگر وسط کلمہ میں یا آخر کلمہ میں واقعہ ہے - تو عموماً اس کی حرکت ہمزہ کے موافق حرف سے کی جاتی ہے - مثلاً مَسْأَلْ سَبَلْ سَبَا مَسْأَلِيْ تَوَلُّوْا اور بعض جگہ اس کے خلاف ہے - مثل تَقْتَاوْا تَوْا كَانِبَدَاوْ -

صل چہام۔ بدل ڈالنا

بعض تفخیم الف کو واؤ سے بدل دیتے ہیں۔ مثل صلوة۔ زکوٰۃ۔ حیوة۔ دبا۔
تسبیح کیسی اور اتم کبیر مضاف نہ ہوں۔ ایسے ہی بعض مقامات پر الحذف۔ مشکاة
النجاة۔ مَنَاقِبُ کو بھی الغدوة۔ مشکوة۔ النجوة۔ منوۃ یعنی الف واؤ
کی شکل میں لکھا ہے؛

رہ وہ الف کہ حرف ی سے بدل ہو کر آیا ہے۔ کتابت میں ی سے بدل جاتا ہے
مثل ی توفیکم۔ یہ صورت اسم یا فعل میں ہوتی ہے اس کے ساتھ ضمیر سو یا نہ ہو۔
اور کسی ساکن سے ملاتی ہو خواہ نہ ہو۔ اس نوع سے یا حَسَرَ تَی یا اَسَفَ اور بعض
اس سے مستثنیٰ ہیں مثل تترا۔ کَلَّتَا۔ هَذَا نِی۔ عَصَانِی۔ ایسے ہی (لی علی
آئی۔ متی۔ بط۔ حتی وغیرہ ہیں؛

ثلاثی کلمہ اتم یا فعل ناقص واوی ہونے کی حالت میں عموماً اس کا واؤ الف
سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً اَلَصَّفَا۔ شَفَا۔ اور بعض جگہ اس کے خلاف ہے جیسے
ضعی۔ سبجی۔ طلی۔ زکی۔ دحی۔ طغی وغیرہ؛

صل پنجم۔ وصل فصل

اکثر رفع کے ساتھ عام طور پر بطریق وصل لکھا گیا ہے۔ مگر اس مقام اس سے تنبیہ
میں اَنْ لَا اَقُول۔ اَنْ لَا تَقُولُوا۔ اَعُوْا۔ اَنْ لَا مَنَاجَا۔ اَوْ اَنْ لَا اِلٰهَ
اَنْ لَا تَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ۔ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ لَا تُشْرِکَ (راجح) اَنْ لَا تَعْبُدُوا
(لین) اَنْ لَا تَعْلُوْا (دخان) اَنْ لَا تُشْرِکَ (ممتحن) اِنْ لَا یَذِیْلُ خُلُتْہَا (ن)
ایسے ہی مِمَّنْ۔ عَمَّا۔ اِمَّا۔ عَمَّنْ۔ اَمِّنْ۔ اِلَمْ کہیں بطریق وصل
اور کہیں مِنْ مَّا۔ مِنْ مَّنْ۔ عَمَّ مَّا۔ اِمَّ مَّا۔ عَنْ مِّنْ۔ اَمَّ مِّنْ۔ اِنْ اَلَمْ کہیں
بطریق فصل لکھے ہیں۔ ایسے ہی کُلُّمَا۔ بَسْمًا۔ نَعِیْمًا۔ رَجَمًا۔ کَاثًا۔ اِیْمًا
بھی کہیں فصل اور کہیں وصل کے ساتھ آئے ہیں۔

صل ششم ان الفاظ کی کتابت جن میں دو قرأتیں (نعتہ قریش میں)

آئی ہیں اور ایک ضبط ہوئی ہے اور قرأت سے مراد مشہور و مطروب
مثل مَلَّک - یَخْجَدِعُوْنَ - طَاعِدْنَا - طَالَاکَ ان کی قرأت الف و بلا الف دونوں کے ساتھ
آئی ہے ۔

حصص کلام مجید

قرآن مجید کا نصف باعتبار تعداد حروف کے سورہ الکہف کے نیکہ کے ن پر ہوتا
ہے ۔ اور حرف ل کے دوسرے نصف کا آغاز ہے ۔ لیکن مشہور قول کے مطابق وَلَیْتَ تَلْفُظُ
کی ف پر نصف اول ختم ہوتا ہے ۔
اور تعداد کلمات کے لحاظ سے وَالْجَوْدِ (سورہ حج) پر نصف اول ختم ہوتا ہے ۔
اور وَلَهُمْ مَقَامِعٌ دوسرے نصف کا شروع ہے ۔
تعداد آیات کے لحاظ سے سُورَةُ الشُّعْرِ ا کے تولد یَا خُلُوف کی تی پر اور دوسرے
نصف کا آغاز خَالِقِ السَّمِیْیَةِ سے ہوتا ہے ۔
سورتوں کی تعداد کے لحاظ سے سورۃ الحديد پر پہلی آدھی سورتیں تمام ہوتی ہیں
اور سُورَةُ الْحِجَادِ کہ باقی نصف سورتوں کی پہلی سورت ہے ۔

سُورَتوں اور آیتوں کی تعداد

بالاجماع سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے اور آیتیں بالاتفاق چھ ہزار
(۶۰۰۰) ہیں ۔ آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہے ۔ اور وجہ اختلاف کی یہ ہے ۔ کہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام مجید تلاوت فرماتے تو آیات پر وقف فرماتے تھے جس سے
سامعین کو محل وقف معلوم ہو جاتا تھا ۔ بعض موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ تلاوت
کرتے وقت وقف نہیں فرمایا ۔ یعنی ایک ہی سانس میں دو آیتیں متصل تلاوت فرمائی ہیں
لہذا ایسی آیتوں کو بعض حضرات نے علیحدہ علیحدہ آیات شمار کیا ہے ۔ اور بعض نے
ان کو ایک آیت قرار دیا ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چھ ہزار دو سو سولہ آیتیں شمار کرتے

ہیں۔ اور ایک قول میں چھ ہزار دوسو چار بھی ہیں (۶۲۰۴) قرآن شریف کے کلمات (۷۷۹۳۴) ہیں۔ اور حروف (۳۲۳۰۱۵) ہیں ۷

رُؤُوسُ الْقُرْآنِ (وقف اور ابتداء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کا یہ مسلک رہا ہے۔ کہ قرآن پڑھتے وقت آیات پر ٹھہرا کرتے تھے۔ اور آیت کے بیچ میں ٹھہرنے کے متعلق کوئی پختہ روایت نہیں آئی۔ مگر اس طرز کو صرف اہل عربیت ہی پورا کر سکتے تھے۔ عجم سے اس کا ادا ہونا مشکل تھا۔ نافع قاری پہلے شخص ہیں جنہوں نے پوری آیت کے سوئے آیت کے بیچ میں ٹھہرنے کی اجازت دی بشرطیکہ معنوی رعایت قائم رہے۔ یعنی وقف کرنے سے معنوں میں بے ربطی نہ پیدا ہو۔ قاری حمزہ نے یہ بھی اجازت دے دی۔ کہ جہاں سانس ٹوٹ جاتا وہاں وقف کر لینا جائز ہے۔ ابن الجزری لکھتے ہیں۔ جہاں تک ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ کے ساتھ اتصال چلا جاتا ہے۔ اس کے ضمن میں ٹھہرنا گویا کلمہ کو اوپر اچھوٹنا ہے۔ کیونکہ وقف اور ابتدا کو معانی کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عوام پر ان رعایتوں کے ساتھ قرآن مجید کا پڑھنا مشکل تھا۔ لہذا ائمہ فرائض ابو جعفر نافع۔ عاصم وغیرہ نے بغرض سہولت تلاوت وقف کے مقامات معین کر دیے۔ اور اس کی تین قسمیں قرار دیں ۱

ابن انباری لکھتے ہیں۔ وقف تین قسم پر ہے۔ تام حسن۔ قبیح۔

(۱) وقف تام وہ ہے جس پر ٹھہر کر سانس لینا اور پھر اس کے بعد سے ابتداء کرنی اچھی ہو۔ اور اس وقف کا مابعد اس سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔ مثلاً قوله۔ جَعَلُوا۟ۤ اٰغْرَۃًۢ اٰهْلَہَاۤ اَخِلَۃًۢۤ کیونکہ یہاں بقیس کا کلام ختم ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد وَلٰذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ بالکل جداگانہ جملہ ہے ۷

(۲) وقف حسن۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں ٹھہرنا تو اچھا ہے۔ مگر اس کے بعد سے ابتداء کرنی اچھی نہ ہو۔ جیسے قوله الْحَمْدُ لِلّٰہ۔ کہ اس کے بعد رب العالمین سے ابتداء کرنی

یوں اچھی نہیں۔ کہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہے،

(۳) وقف قبیح یہ وہ وقف ہے۔ کہ نہ تام ہو۔ اور نہ حسن مثلاً بسم اللہ میں صرف بسم پر ٹھہرنا۔ ایسے ہی مضاف الیہ کو چھوڑ کر صرف مضاف پر موصوف کو چھوڑ کر صرف صفت پر مرفوع کو چھوڑ کر رفع دینے والے حرف پر یا اس کے برعکس ایسے ہی ماضی پر بلا اس کے منصوب کے موکد پر بلا اس کی تاکید کے بدل پر بلا اس کے بدل منہ کے ملائے ہوئے اس قسم کے تمام وقف نادرست ہیں۔

ایسے ہی اِن۔ کا ن۔ ظن اور اس کی مانند کلمات کے اسم پر بغیر اس کی خبر کے اور خبر پر بغیر اس کے اسم ملائے کے وقف کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح مستثنیٰ موصول بشرط وغیرہ بغیر ان کے تعلقات ملانے کے وقف نہیں کرنا چاہئے۔

سجاءندی لکھتے ہیں۔ وقف کے پانچ مرتبے ہیں۔ لازم، مطلق، جائز، مخصص، مجنون (۱) لازم وہ ہے۔ کہ اگر اس پر وقف نہ ہو۔ تو معنی میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ جیسے قولہ دھامہ بمؤمنین (وہ لوگ مومن نہیں ہیں) اگر اس پر وقف نہ کریں۔ اور تجدیون سے ملا کر پڑیں۔ تو یہ معنی ہونگے۔ (وہ لوگ ایسے مومن نہیں ہیں۔ جو خدا کو دھوکہ دیتے ہیں) حالانکہ مقصود یہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں) اور خدا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (۲) جائز یہ وہ وقف ہے۔ جہاں از روئے معنی اٹھنا اور نہ ٹھہرنا دونوں برابر ہیں۔ جیسے قولہ اِنِّیْ هَكَذَا فِیْ رِبِّیْ اِلٰی صراطِ مستقیم (ج) دینا آدیم اس کی علامت ج ہے۔

(۳) مطلق وہ وقف ہے۔ جس کے بعد ابتدا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے حاصِباً اِلَّا اَلْاَوْطٰی نَجِیَّتْھُمْ بِسَحْمٰہِ اس کی علامت ط ہے۔

(۴) مخصص وہ وقف ہے۔ جہاں مابعد ماقبل سے مستثنیٰ نہ ہو۔ لیکن ضرورتاً مثلاً سانس لینے کے لئے وقف کی حاجت ہو۔ اس کی علامت ص ہے۔

(۵) مجوز۔ جہاں اتصال کا موقع نہ ہو۔ لیکن کوئی خاص سبب انفصال کا خواہاں ہو جائے جیسے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَشْتَرُوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْآخِرَةِ۔ فَلَا یُخَفَّفُ۔ فَلَا یُخَفَّفُ

کا حرف ف اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ یہ قبل کی جزا ہو جس کی وجہ سے ان میں باہم اتصال ہے۔ لیکن فعل استیناف کا خواہاں ہے ء

اس کے علاوہ اور بھی بعض علامتیں وقف کی ہیں۔ مثلاً جب دو وقف قریب آجاتے ہیں۔ تو ان کو معافقہ کہتے ہیں۔ جیسے قولہ کَلَامُكَ ج۔ ج۔ فِیْہ۔ ج۔

(رکتہ) یہ بھی ایک علامت ہے۔ قرآن مجید میں سات آٹھ ایسے مقامات ہیں جہاں جھٹکے کے ساتھ پڑھنے سے خوف ہوتا ہے۔ کہ حرکت ضائع ہو جائیگی۔ اس لئے سانس نہیں لیتے۔ بلکہ آمسگی اور سکون کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں۔ جیسے قولہ تَعَالٰی یَصْدِرُ السَّعَادُ الْوُفَا شَیْخُ الْکَبِیْرُ

(لا) جن آیتوں پر لا لکھا ہوتا ہے۔ وہ ان آیتوں کے زیادتی اتصال کی علامت ہے۔ جس سے یہ مقصود ہوتا ہے۔ کہ یہاں وقف نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر سانس ٹوٹ جائے تو پھر اندر سرفرا کر پڑھنا چاہئے ء ایسے ہی وقفہ۔ وصل۔ صلی بھی منع کی علامتیں ہیں ء

ضابطہ۔ جہاں کلام مجید میں الَّذِی اور الَّذِیْن آیا ہے۔ ان میں دو صورتیں جائز ہیں۔ (۱) لغت قرار دے کر ماقبل کے ساتھ وصل کر دیں۔ (۲) خبر ٹھہرا کر اسے ماقبل سے جدا کر کے پڑھیں۔ مگر سات مقام اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ان کلمات سے ابتدا متعین ہوتی ہے۔ الَّذِیْن اٰتٰیْنَاھُمْ الْکِتٰبَ یَتْلُوْہُ الَّذِیْن اٰتٰیْنَاھُمْ الْکِتٰبَ یَعْرِضُوْہُ۔ (بقرہ)

الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ السَّیْءَ۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَا جَمْعُہُمْ (براقہ)
الَّذِیْنَ یُحْسِنُوْنَ (نفاق)

الَّذِیْنَ یُحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ رَافِعُوْا

کلاً۔ یہ کلام مجید میں تینتیس مقام پر استعمال ہوا ہے۔ منجملہ ان کے سات مقام پر بالاتفاق دُدْع یعنی طلب خبر و آزمائش کے معنی میں آیا ہے۔ اس واسطے وہاں پر وقف کیا جائے گا۔ اور وہ مقامات یہ ہیں:-

عبدًا کَلَّا - عَمْرًا کَلَّا - (مریم) - اِنْ یَقْتُلُوْنَ قَالِ کَلَّا - اِنَّا لَمُدَّکُلُوْنَ
 قَالَ کَلَّا (شعراء) فَنَشَرَاءُ کَلَّا - اِنْ اَزِیدُ کَلَّا - اِنْ الْمَقَمُ کَلَّا اِنْ کے علاوہ
 دوسرے مقامات پر وقف اچھا نہیں - اور ان میں بعض مقامات ہیں - جہاں
 دونوں امدوں کا احتمال ہے - وہاں وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں جہیں جائز ہیں

امالہ اور فتح

جمال القرطبی صفوان بن عسال سے مروی ہے - کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ
 علیہ وسلم نے یاسیحی امالہ کے ساتھ پڑھا ہے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ آپ امالہ
 فرماتے ہیں - اور یہ قریش کی بول چال میں ہے - ارشاد ہوا - یہ اقوال نبی سعد کی زبان
 ہے - امالہ یہ ہے - کہ فتح کو کسر کی جانب اور الف کو بجانب ی زیادہ مائل کر کے ادا
 کریں - یہ امالہ محض ہے اس کو اضجاع - البطحہ اور الکسر بھی کہتے ہیں ؛
 (۲) الف کی قرأت بین اللغظین کیجئے - یعنی الف و ی دونوں کے بیچ میں
 کچھ ادھر جھکتی ہوئی اور کچھ ادھر - اسے تغلیل - تلطیف - بین بین کہتے ہیں ؛
 امالہ بین بین کے دو قسم ہیں - شدیدہ و متوسطہ کلام مجید میں امالہ اوسط پسندیدہ
 ہے - اور امالہ کی غرض اس بات سے مطلق کرنا ہے - کہ قی - الف کی اصل ہے - اور
 اس بات پر آگاہ کرنا ہے - کہ کسی جگہ الف - قی کے ساتھ بدل بھی جاتا ہے - یا تلفظ
 میں اپنے قریب کی حرکت کسرہ اور قی کا ہشکل بن جاتا ہے ؛

فتح - وہ ہے - کہ قاری حرف کو تلفظ کرتے وقت اپنا منہ کھول دے - اسے تغخیم
 بھی کہتے ہیں - یہ دو قسم ہے - شدیدہ و متوسطہ - پسندیدہ فتح متوسطہ ہے ؛

ادغام - اظہار - اخفاء - اقلاب -

ادغام دو حرفوں کو تشدید دے کر ایک حرف کی طرح تلفظ کرنے کا نام ہے - سبکی
 دو قسم ہیں - کبیرہ و صغیر - ادغام کبیرہ یہ ہے - کہ اس کے دو حرفوں میں کا پہلا حرف
 متحرک ہو - عام اس سے کہ وہ دو نو حرف باہم مثل ہوں یا بجنس - یا ایک دوسرے

کے قریب المنجج - اس کی نسبت ابو عمر بن العلاء کی طرف کی جاتی ہے ؛
 متماثلین سے وہ حروف مراد ہیں - جو منجج و صفت میں باہم متفق ہوں - جیسے
 ب - ت - ث - ح - د - س - ع - پ - غ وغیرہ اور متجانسین وہ حروف ہیں -
 جو متفق الخارج ہوں - اور صفت میں ایک دوسرے سے جدا گانہ ہوں -
 متقاربین وہ حروف ہیں - جو منجج اور صفت دونوں میں ایک دوسرے کے
 قریب قریب ہوں -

ادغام صغیر یہ ہے - کہ اس میں پہلا حرف ساکن ہوتا ہے - اس کی تین قسمیں ہیں
 واجب - متنع - جائز - اظہار کی نسبت عام قاریوں کا یہ قول ہے - کہ وہ حروف
 خلق کے قریب آجانے کی حالت میں ہوتا ہے - جیسے فَاَخْخَرُوا خُخْرَہ - اور اخفاتی
 ماندہ حروف پہنچنے کے نزدیک آنے کی حالت میں جیسے مِنْ بَابٍ - اَنْشُرَہ - اور خفاس
 حالت کو کہتے ہیں - جو ادغام و اخفا کے مابین ہوتی ہے - اور اس کے ساتھ غنہ کا
 ہونا لازمی ہے ؛

مد اور قصر

مد اس زیادتی رکشش صوت کا نام ہے - جو حرف مد میں طبعی کشش صوت
 کے علاوہ مطلوب ہوتی ہے - اور طبعی کشش صوت یہ ہے جس سے کم پر مد خوانی
 طور پر سے بھی قائم نہیں ہو سکتا ؛

اور قصر اس زیادتی کو چھوڑ کر مد طبعی کو علیٰ حالہ قائم رکھنے کا نام ہے - مد پیدا
 ہونے کا سبب کبھی لفظی ہوتا ہے اور کبھی معنوی ؛

سبب لفظی ہمزہ یا سکون کا آنا ہے - ہمزہ کی وجہ سے مد آنے کا سبب یہ ہے - کہ
 حرف مد خفی ہوتا ہے اور ہمزہ دشوار - اس حرف خفی میں زیادتی کر دی جاتی ہے -
 کہ اس کی وجہ سے دشوار حرف کو زبان سے ادا کرنے میں آسانی ہو سکے - اور اس
 کے لفظی پر بہولت و تندرست حال ہو جائے ؛

ہمزہ حرف مد کے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں آتا ہے - جیسے اَدَمَ - رَأٰی -

ایمان - اور بعد میں آنے والا ہمزہ اگر حرف مد کے ساتھ ایک ہی کلمہ میں ہے - تو وہ متصل ہوگا - مثلاً اَوَّلَکَ وَمِنْ سُوِّیْ اور اگر حرف مد ایک کلمہ کے اخیر میں ہے - اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں - تو پھر وہ منفصل ہوگا - جیسے بِمَا اُنْزِلَ قَالَ لَوْ اٰمَنَّا فِیْ اَنْفُسِنَا -

سکون کے باعث مد پیدا کرنے کی یہ وجہ ہوتی ہے - کہ اس کے ذریعہ سے دو ساکن حروف کو باہم جمع کر سکتے ہیں - گویا مد کو قائم مقام حرکت بنا دیا جاتا ہے - اور سکون یا لازمی ہوتا ہے - یعنی وہ جوابی دونوں حالتوں (اول کلمہ یا وسط کلمہ) میں تغیر نہیں ہوتا - جیسے وَکَالِ الصَّالِکِیْنَ - دَاۤءِیۃً اور یا عارضی ہوتا ہے - یعنی وقف وغیرہ کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے - جیسے الْحَبَابُ - الْعَبَادُ - السَّحَابُ وَتَفَیْ

مد کا سبب معنوی

اس کا سبب معنوی نفی میں مبالغہ کرنے کا قصد ہے - مد تعظیم بھی اس قسم کی ایک مد ہے - جیسے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ

قاعدہ - جس وقت مد کا سبب تغیر ہو جائے - اس وقت دو باتیں جائز ہوتی ہیں - پہل کے لحاظ سے مد دینا اور لفظ کے لحاظ سے قصر کرنا

ابو بکر عیسیٰ پوری کہتے ہیں - قرآن کی مدات دس وجوہ پر ہوتی ہیں -
(۱) مد کججز یہ مد جائز ہے - جیسے اَکْثَرُکُمْ مَّا نْتَ قُلْتَ - کیونکہ یہاں پر دو ہمزوں کے مابین ایک رو کا وٹ داخل کر دی گئی ہے - اور حاجر رو کا وٹ کی مقدار بالاجماع ایک پورے الف کے برابر ہے

(۲) مد العادل ہر ایک ایسے مشدد حرف میں ہوتا ہے - جس کے قبل کوئی مد اور لین کا حرف ہو - مثلاً اَلْصَّالِکِیْنَ - کیونکہ یہ مد ایک حرکت کا معادل ہے - یعنی مدک لینے میں حرکت کا قائم مقام ہوتا ہے

(۳) مد تکلیف مثلاً اَوَّلَکَ الْمَلِکِکَ اور تمام ایسی مدات جن کے بعد ہمزہ آتا ہے - کیونکہ میان ہر مد متعین اس واسطے لایا گیا ہے - کہ اس کے ذریعہ سے ہمزہ

کی تحقیق ہو سکے۔ اور اس کو اپنے مخرج سے ادا کئے جانے میں آسانی حاصل ہو۔

(۷) مدبیط و مدالفصل جیسے بجا اُنْزِلَ یہ مدو متصل کلموں میں پھیلتا ہے۔

(۸) مدو مدو جیسے ہا اَنْتُمْ یہاں اَنْتُمْ کے ہمزہ کا ردوم کرنے میں۔ اور یحییٰ یا بالکل ترک نہیں کرتے بلکہ اُسے ملین کرتے ہیں۔ اور اس کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ اس مدکی مقدار ڈیڑھ الف کے برابر ہے۔

(۹) مدالفرق۔ جیسے اَلْاَنْ اس مد کے ذریعہ سے استفہام اور خبر کے مابین فرق کیا جاتا ہے اس مدکی مقدار بالا جمیع پورے ایک الف کے برابر ہے۔ پھر اگر الف و مد کے درمیان کوئی مستند حرف ہے۔ تو ایک اور الف زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے ہمزہ کی تحقیق ہو سکے۔

(۱۰) مدالمبالغہ۔ یا تعظیم۔ جیسے لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(۱۱) مدالتبکّل من الہمزہ۔ جیسے آدم۔ آخر۔ آسن۔ اس کی مقدار ایک الف کے برابر ہے۔

(۱۲) افعال ممدودہ۔ میں آنے والا مد۔ جیسے جاء۔ شاء۔

(۱۳) مدالبیتنہ۔ یعنی اسمائے مقصورہ و ممدودہ میں آنے والا مدان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مدالبیتنہ اسمائے مقصورہ و ممدودہ کے مابین فرق امتیازی کی غرض سے لائی جاتی ہے۔ اور افعال ممدودہ کی مد اصل فعلوں میں خاص معانی کے لئے آتی ہے۔

تخصیص و انشاء

انشاء وہ کلام ہے جس کا مدلول کلام کے ساتھ خارج میں حاصل ہوتا ہو۔ اور خبر وہ

کلام ہے۔ جو اس کے خلاف ہو۔ اور کہا ہے۔ کلام اگر اپنی وضع کے ذریعہ سے کسی طلب کا فائدہ دیتا ہے۔ تو وہ اس بات سے خالی نہ ہوگا۔ کہ ماہیت کے ذکر یا اس کی تحصیل

اور یا اس سے باز رہنے کی طلب کرے۔ ان میں سے پہلی قسم کا کلام استفہام اور دوسرا

امر تیسرا نہی ہے۔ اور اگر بالوضع طلب کا فائدہ نہ دیتا ہو۔ تو اس حالت میں اس کے تحصیل

صدق و کذب نہ ہونے کی صورت میں اسے تنبیہ اور انشاء کے ناموں سے موسوم کرینگے۔

اور اگر وہ کلام صدق و کذب کا احتمال میں حیث ہو۔ یعنی اپنے کلام ہونے کی حیثیت سے

کہتا ہو۔ تو وہ خبر ہے۔

خبر کا مقصود یہ ہے۔ کہ مخاطب کو بات کا فائدہ پہونچایا جاوے۔ یعنی اس کو کس امر کا علم دلایا جائے۔ بعض اوقات خبر بھنے امر وارد ہوتی ہے۔ مثلاً وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ وَالْمُطْلَقَاتُ يَرْضِعْنَ اور بھنے ہی بھی وارد ہوتی ہے۔ جیسے لَا تَيْمَسُّهُ إِلَّا الْمَطْهُرُونَ۔ بھنے دعا۔ جیسے إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اسی قسم سے ہے۔ يَبْتَ يَدَا اَيُّ نَهْيَةٍ وَتَبَّ کہ۔ ابی لہب کے حق میں دعائے بد ہے۔ لیکن ابن عربی کہتے ہیں۔ اس قسم کے اخبار کی نفی و اثبات کا رجوع شرعی وجوہ کی طرف ہوتا ہے۔ نہ وجوہ محسوس کی طرف۔ پس وَالْمُطْلَقَاتُ يَرْضِعْنَ کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ مشروع ہونے کے لحاظ سے ایسا کریں۔ نہ محسوس ہونے کے اعتبار سے اس لئے کہ ہم کو بعض مطلقہ عورتیں ایسی بھی دکھائی دیتی ہیں۔ جو تَرْجِعْنَ (انٹھاری عدت) نہیں کرتیں۔ لہذا نفی کا عود خواہ نحوہ شرعی حکم کی طرف ہوگا۔ نہ بجانب وجود حسی۔ اس طرح لَا تَيْمَسُّهُ إِلَّا الْمَطْهُرُونَ۔ سے یہ مراد ہے۔ کہ اگر روئے شرع کوئی ناپاک آدمی محض کو نہ چھوئے۔ اور اگر اسے کوئی عدم طہارت کی حالت میں مس کر لگا۔ تو وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کر لگا۔

تَعَجُّبُ۔ یہ خبر کی ایک قسم ہے۔ اس سے ابہام مطلوب ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق ہر ایک ایسی چیز پر ہوتا ہے۔ جس کا سبب بہیم ہو۔ صل یہ سنی کی صفت ہے۔ اور لفظ تعجب صرف اس معنی سے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ مجازاً اَتَعَجَّبَ کہتا ہے۔ مَا أَفْعَلَ اور أَفْعَلَ بِهِ تعجب کے معنی ہیں۔ ان کے سوا سبب بعض اور لفظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے کَبُرُ۔ قولہ تعالیٰ۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً يَخْتَارُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اور كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اور كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ۔ تعجب کا ورود جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ تو وہ مخاطب کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ قولہ۔ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ یعنی ان لوگوں پر تعجب کرنا واجب ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی توصیف تعجب کے ساتھ اس واسطے نہیں کی جاتی۔ کہ گویہ اِسْتَعْظَامِ رِعْظَمَتِ دینا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ جہل کی شرکت رہتی ہے۔ اور پروردگار اس بات سے منکر ہے۔ اور ایک جماعت اس قسم کے تعجب کو تعجب سے تعبیر کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ ایسے مقاموں پر خداوند کریم اپنی طرف سے مخاطب کو تعجب میں ڈالتا

ہے۔ دعا و توبہ یہ بھی اسی قسم سے ہے۔ سیبویہ نے **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ** کے بارے میں کیا ہے۔ کہ تم اس کو بددعا نہ کہو۔ کہ ایسا کہنا بہت بُرا ہے۔ مگر چونکہ اہل عرب اپنی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں۔ اور نزول قرآن الہی کی لغت پر مبنی ہے۔ اس لئے گویا **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ** اس معنی میں کہا گیا۔ کہ یہ لوگ ان میں سے ہیں۔ جن کی نسبت ایسا کہنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ کلام محض شریروں اور ہلاکت میں پڑنے والوں کے لئے کہا جاتا ہے۔ اور اس بنا پر کہا گیا۔ کہ یہ لوگ ان میں سے ہیں۔ جو کہ ہلاکت میں داخل ہوئے۔

وَعَدٌ وَرَعِيدٌ یہ بھی خبر کی ایک قسم ہے۔ مثلاً **مَسَرَّيْهِمُ إِلَيْنَا فِي الْأَفَاقِ**۔ اور کہا ہے۔ کہ انشاء کی قسم سے ہے۔

نَفْيٌ وَجَمَدٌ۔ ان دونوں فرق یہ ہے۔ کہ جمد کا کہنے والا اگر صادق ہے۔ تو اس کی کلام کو نفی کہتے ہیں۔ اور اگر وہ کاذب ہے۔ تو اس کو جمد و نفی دونوں ناموں سے موسوم کریں گے۔ نفی کی مثال۔ **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ**۔ اور جمد کی مثال۔ **فَلَمَّا جَاءَهُمْ أَيْنَمَا مَيَّصَرَةٌ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ وَجَعَلُوا بَيْنَهُمْ وَاسْتَفْتَيْهِم بَأَنَّهُمْ أَلْفُسُفُّهُمْ**۔

اَدْوَاتِ نَفْيٍ۔ لَا۔ لَآئِيس۔ مَا۔ اِنْ۔ لَمْ۔ لَعَنَآئِيس۔
 واضح ہو۔ کہ حروف نفی میں اصل **لَا** اور **مَا** ہیں۔ کیونکہ نفی یا زمانہ گذشتہ میں ہوگی۔ اور یا زمانہ آئندہ میں۔ اور استقبال ماضی کی نسبت بعید نہ زائد ہوتا ہے اور حرف **لَا** بہ نسبت **مَا** کے خفیف ہے۔ لہذا اخف بمقابلہ اکثر وضع کیا گیا۔ اور ماضی میں چونکہ نفی کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ یعنی یا تو ایک ہی استمراری نفی ہو کر رہتی ہے۔ یا ایسی ہوتی ہے۔ جس میں متعدد احکام ہوں۔ اور یہی حالت نفی کی استقبال میں بھی ہوتی ہے۔ لہذا نفی کی چار قسمیں ہوئیں۔ ان کے لئے **مَا۔ لَمْ۔ لَئِنْ۔**
لَا۔ چار کلمات لئے گئے۔ اور باقی دو کلمے **اَنَّ** اور **بَئِنَّ** کوئی اصل نہیں ہیں پس **مَا** اور **لَا** ماضی اور مستقبل دونوں ناموں میں باہم مقابل ہیں۔ اور **لَمْ** ایسا ہے۔ کہ

گویا وہ لا اور مائے ماخوذ ہے۔ اس واسطے کہ لم حفظاً مستقبل میں نفی کے واسطے آتا ہے۔ اور معناً زمانہ ماضی میں نفی کے لئے ہے۔ چنانچہ لا جو کہ مستقبل کی نفی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں سے حرف لام اور مائے ماضی کی نفی کے لئے آتا ہے اس میں سے حرف میم لے کر ان دونوں کو اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جمع کر دیا کہ لم میں مستقبل اور ماضی دونوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اور لام کو میم پر مقدم کرنے میں یہ اشارہ ہے۔ کہ نفی کی اصل حرف تا ہے۔ اس وجہ سے اثنائے کلام میں جو نفی کی جاتی ہے۔ وہ اس حرف لا کے ساتھ آتی ہے۔ مثلاً لَمْ يَفْعَلْ ذِيكَ وَلَا عَمْرُوہ اور باقی را حرف لَمْ۔ اس میں ترکیب ترکیبے۔ گویا کہنے والے نے کہا۔ لم اور مائے تاکہ اس سے ماضی میں مخفی نفی کی تاکید پر دلالت کیے۔ اور استقبال کا فائدہ بھی دے اور اسی وجہ سے لَمْ استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔

اغراض و فوائد نفی

۱، ایک شے کسی چیز کا نفی کیا جانا کبھی اس لئے ہوتا ہے۔ کہ وہ یعنی نفی اس منفی عنہ شے میں از روئے عقل شمار نہیں ہو سکتی مثلاً دَمَارُكَ بِغَاظِ عَمَّا يَعْمَلُونَ دَمًا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا لَا تَأْخُذْكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۝

۲، کبھی یہ اتفاق اس لئے ہوتا ہے۔ کہ وہ شے منفی باوجود امکان وقوع کے شے منفی عنہ سے واقعہ نہیں ہوئی مثل۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ ذات موصوفہ کی نفی سے کبھی ذات کے علاوہ محض صفت کی نفی مراد ہوا کرتی ہے۔ جیسے دَمًا جَعَلْنَا هُمَ لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ ط یعنی بلکہ وہ جسد ہیں۔ اور طعام کھاتے ہیں۔ کبھی اس سے ذات اور صفت دونوں کی نفی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ یعنی بالکل سوال ہی نہیں کرتے۔ اس لئے ان الحاف (گڑاؤنا) وقوع ہی میں نہیں آتا۔ وقولہ تعالٰی وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَسِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ۔ یعنی ان کے لئے کوئی شفیع ہی نہیں۔ وقولہ۔ وَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ط یعنی ان کے لئے کوئی ایسی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ جس کی شفاعت ان کو فائدہ دے

اس قسم کی نفی کو علم بدیع میں نفی ثبوتی یا بجا بہ کہتے ہیں ؛
(۳) کبھی بغرض مبالغہ و تاکید ثبوتی کی مطلقاً نفی کی جاتی ہے ۔ قولہ تعالیٰ - وَتَنْزِيلُ
يَحْيٰى مَعَ اللّٰهِ اِلٰهٍ اَخْسَرُ لَا بُرْهَانَ لِهٖ بِہِ ۔ کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود کسی
بیان کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا ؛

(۴) کبھی ایک ثبوتی کی نفی اس وجہ سے کی جاتی ہے ۔ کہ وہ وصف میں ناقص اور
بے ثمر ہے ۔ مثلاً اہل و فتنہ کی حالت بیان کرتے ہوئے قولہ تعالیٰ لَا يَمُوتُ فِيْہَا
وَلَا يَحْيٰی ۔ اس جگہ دو چیزوں سے موت کی نفی اس وجہ سے کر دی گئی ہے ۔ کہ وہ صریح موت
نہیں ۔ ایسے ہی حیات کی نفی سے یہ مراد ہے ۔ کہ وہ کوئی اچھی اور مفید زندگی نہیں ؛
(۵) استطاعت کی نفی سے کسی حالت میں قدرت اور امکان کی نفی مراد ہوتی ہے
مثلاً هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ ۔ کیا اللہ تعالیٰ ایسا کریگا ۔ اور بقاءت ۔ یہ صفحہ ہوں گے ۔ کہ
کیا تم ہماری بات منظور کر کے خدا تعالیٰ سے نزول ماندہ کی درخواست کرو گے ۔ کیونکہ
ان لوگوں کو بخوبی یہ بات معلوم تھی ۔ کہ اللہ تعالیٰ ماندہ نازل کرنے پر قادر ہے اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سوال کی قدرت حاصل ہے ؛

اور کسی جگہ کلفت و مشقت میں مبتلا ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے ۔ مثلاً اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِيعَ مَعَیْ صَبْرًا ۔ کہ اگر تم میرے ساتھ رہو گے ۔ تو سخت وقت میں مبتلا ہو گے ؛
قاعدہ ۔ عام کی نفی خاص کی نفی کو اور خاص کا ثبوت عام کے ثبوت کو مستلزم ہے ۔ مثلاً
قَوْلُهُ فَلَمَّا اَصْنَعْتُ مَا حَوَّلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بَنُوْهُمْ ط

اَصْنَعْتُ کے بعد بنوؤہم اس لئے نہیں لایا گیا ۔ کہ نور بنیت ضوئے عام ہے
کہ نور کم و زیادہ ہر طرح کی روشنی پر بولا جاتا ہے اور ضوئے خاص کہ نور کشیدہ پر استعمال ہوتا ہے جیسے
هَوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِیَاءً وَالْقَمَرُ نُورًا ۔ چونکہ نور ضوئے عام ہے ۔ لہذا نور کے نہ ہونے
سے ضوئے نفی مزدی ہے ۔ اور غرض بھی یہی ہے ۔ کہ ان لوگوں سے ہر قسم کی روشنی کا ازالہ نظر ہوا
کیا جائے جس کی تاکید میں کہا گیا ۔ وَتَرٰكَہُمْ فِی ظُلُمٰتٍ لَا یُبْصِرُوْنَ ط
اور ثبوت کے استلزام کی یہ مثال ہے ۔ وَجِئَتْ عَرُضُهَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ ۔

یہاں طَوَّنْہَا نہیں کہا گیا۔ اس لئے کہ عرض بہ نسبت طول کے خاص ہے۔
 کہ جو شے عریض ہوگی۔ ضرور طویل بھی ہوگی۔ مگر اس کا عکس ضروری نہیں؛
 فائدہ فعل میں سبائے کی نفی کرنا۔ فعل فعل کی نفی کا مستند نہیں ہوتا۔ اور آیت
 وَمَا كَانَ نَبُكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہاں سبائے بغرض تعریض ہے۔
 اور بتانا یہ ہے۔ کہ دنیا میں ظالم حکام بندوں پر سخت عذاب کرتے ہیں؛

فائدہ جس مقام پر دو کلاموں کے درمیان دو جملہ واقع ہوں۔ وہ کلام خبر ہوتا
 ہے۔ قولہ۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آكَاكُونَ الطَّعَامِ بِخَبَرِ اِلْمَا
 جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آكَاكُونَ الطَّعَامِ۔ ہم نے ان کو کھانا کھانے والا جسم بنایا؛
 اور جہاں کہیں جملہ آغاز کلام میں لاتے ہیں۔ وہاں حقیقی جملہ ہوتا ہے۔ قولہ
 وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔ اور جبکہ آغاز کلام میں دو جملہ واقع ہوں۔ تو
 ان میں سے ایک جملہ زاید ہوتا ہے مثلاً مَا اِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيْهِ

النشأ کے اقسام

۱) استفہام۔ استفہام طلب فہم کو کہتے ہیں۔ اور کہا ہے۔ استفہام اس بات کا نام
 ہے۔ کہ خارجی شے کی صورت کا ذہن میں رسم کیا جانا طلب کیا جائے۔ اس واسطے اس کا
 صدور جب تک کسی اس طرح کے شک کرنے والے شخص سے نہ ہو۔ جو کہ اعلام علم و دنیا
 کا مصداق ہے۔ اس وقت تک استفہام کے لئے یہ بات لازمی ہے۔ کہ وہ حقیقت نہ ہو۔
 کیونکہ شک نہ کرنا یا شخص جس وقت استفہام کریگا۔ تو اس کا یہ فعل تحصیل حاصل ہوگا۔
 اور اطلاع دی کے امکان کی تصدیق نہ کرے۔ تو استفہام کا فائدہ جاتا رہتا ہے۔ اور
 کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جو باتیں استفہام کے طور پر آئی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب میں
 بایں معنی واقع ہوئی ہیں۔ کہ مخاطب کے نزدیک اس اثبات یا نفی کا علم ہو؛
 ادوات استفہام۔ ہمزہ۔ ہل۔ ما۔ من۔ ائی۔ کیف۔ آین۔
 ائی۔ مئی۔ آیان؛

استفہام کے معانی۔ انکار اور اس کے اندر نفی کے اعتبار پر استفہام کے معنی پائے

جائے ہیں۔ اور اس کا مابعد منفی ہوا کرتا ہے۔ اسی واسطے اس کے ساتھ الّا حرف استثنا ضرور آتا ہے۔ قولہ۔ يَهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَهَلْ يُدْرِي إِلَّا الْكَافِرُونَ عَفْوِينَ لَكَ وَاقْبَحُكَ إِلَّا ذُلُّونَ۔ اے کافر تو میں لاک۔ اور اکثر حالتوں میں تکذیب بھی پائی جاتی ہے۔ مثل قولہ۔ اِذَا صَفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَيِّنَاتِ۔ یعنی لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ۔ و قولہ۔ اَنْلَزْمُ كُمُوهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَرِهُونَ۔ اے کافر تو یہی کہہ دے۔ اِنْ لَا يَكُونُ ذَلِكَ اِلَّا لَزَامٌ ۝

(۲) بمعنی توبیخ۔ اس کو انکار یا بطل بھی کہتے ہیں۔ اس انکار توبیخی کا وقوع اکثر ایسے ثابت امر میں ہوتا ہے۔ جس کے کرنے پر سرزنش کی گئی ہو۔ مثل اَقْصَبْتَ امْرِي۔ اَقْبَعِدُونْ مَا تَخْتَبُونَ۔ اَنْدَعُونَ بَعْدًا وَتَذْمُرُونَ اَحْسَنَ اَلْحَالِ يَقِينٌ ۝ اور بعض اوقات اس کا وقوع کسی ایسے فعل کے ترک پر ہوتا ہے جس کا وقوع مناسب تھا۔ مثل قولہ۔ اَوَلَمْ نُخْلِقْكُمْ۔ وَلَمْ نَكُنْ اَرْضًا لِّلّٰهِ وَاَسْعَدَ فَعْتَمَاهَا حَبًّا فِيْهَا۔ (۳) تقریر یعنی مخاطب کو کسی ایسے اقرار اور اعتراف پر آمادہ کرنا جو اس کے نزدیک قرار پذیر ہو چکا ہو۔ اس استفہام میں حرف هل کا استعمال کبھی نہیں ہوتا۔ اور اکثر ضمیر لایا جاتا ہے۔ جیسے اوپر کی مثالوں میں مذکور ہوا ہے ۝

اور کیا ہے۔ هلْ فِيْ ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حُجْرٍ میں هل بمعنی تقریر ہے ۝ اس استفہام کے ساتھ کلام موجب ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے اس پر صریح موجب کلام کا عطف ہوتا ہے۔ مثل قولہ۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ۔ کیونکہ استفہام تقریر کی حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ انکار کا استفہام ہوتا ہے۔ اور انکار نفی ہے۔ اور نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے۔ مثل قولہ۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ (۴) تعجب یا تعجب۔ قولہ۔ كَيْفَ تَاْمُرُونَ بِاللّٰهِ۔ مَا لِيَ لَا اَدْرِي اَلِهًا هٰذَا ۝ (۵) عتاب۔ (نصطہ ظاہر کرنا)۔ اَمَّا مَرُّونَ النَّاسِ بِالْبُرِّ وَتَسْتَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ لَيْسَ اَدْنَتْ لَهُمْ ۝

لا، تذکریر یا دہرائی) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ نَبِيًّا اَوْ لَا تَعْبُدُوْنَ الشَّيْطٰنَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ مُّؤَسَّفٌ وَاَخِيْهِ ۝

- (۷) افتخار۔ الیس لی ملکہ مصر ۛ
- (۸) تنغیم۔ ما لہذا الکتاب لا یغادرُ صغیرۃ ولا کبیرۃ اِلاّ اُحْصَیَہَا۔
- (۹) تہویل و تخفیف۔ الخاقۃ۔ ما الخاقۃ۔ القارعة ما القارعة۔
- (۱۰) تسہیل و تخفیف۔ ما اذا علیہم لو اُمنوا ۛ
- (۱۱) تمہید و وعید۔ اَلَمْ تَخْذَلْ اَلاَ وَلَیِّن ۛ
- (۱۲) تکثیر۔ وکم من قریۃ اَہْلَکْنٰہَا۔
- (۱۳) تسویر۔ یہ استفہام ایسی جمع پر داخل ہوتا ہے جس کے عمل میں مصدر کا حلول سمجھ سہ۔ مثلاً قولہ تعالیٰ سَوَّاهُ عَلَیْہِمْ ؕ اَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْہِمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔
- ای اَنذَرْتُکَ وَعَدَہٗ سَوَّاهُ۔
- (۱۴) امر۔ اَاسَلَمْتُمْ۔ اَی اَسَلُّوْا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ۔ اَی اَنْتُمْ ہوا۔
- (۱۵) تنبیہ۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الْقُلُوبَ۔ اَی انظر۔
- (۱۶) ترغیب۔ مَن ذَا الَّذِی یُفْرِضُ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا۔ ہَلْ اَدْلٰکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تَنْجِیْکُمْ۔
- (۱۷) دُعا۔ اَدْنٰی سَے اعلٰی کی طرف۔ اَحْمَلْنَا عِمَاقَ فَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ اَی اَحْمَلْنَا۔
- (۱۸) استرشاد۔ رُطِبَ بَرْنًا فِی کُرْنًا۔ اَجْعَلْ فِیْہَا مَن یُفْسِدُ فِیْہَا۔
- (۱۹) تمنی۔ فَهَلْ لَّنَا مِّنْ شَفْعَاء۔
- (۲۰) اِسْتَبْطَآ مَتٰی نَصَرَ اللّٰہُ۔
- (۲۱) عِض۔ اَلَا یُحِیُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ۔
- (۲۲) تخفیف۔ اَلَا لَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْا اَیْمَانَهُمْ۔
- (۲۳) تجاہل و انزل عکبہ الذکر من بیننا۔
- (۲۴) تعظیم۔ مَن ذَا الَّذِی یُشْفَعُ عِنْدَہُ اِلاَ بِاِذْنِہِ۔
- (۲۵) تحقیر۔ اھذ الذی بعث اللہ رسولاً۔
- (۲۶) اکثاف۔ الیس فی جہنّم مثنوی المتکبرین۔
- (۲۷) استبعاد۔ اِنِّیْ لَہُمْ الذِّکْرُفِی۔

(۲۸) اِنَّا سَاَنُكَ بِمِیْنِكَ فِیْوَسْءِ :

(۲۹) نَحْنُکُمْ وَرَسْمُکَ - اَصْلَانُکَ تَاْمُرُکَ - مَا لَکُمْ لَا تَنْطَقُوْنَ :

(۳۰) اَخْبَارِی - اِنِّیْ قُلُوْبُہُمْ مَّضْنٌ - اِمَّا اَقْبَاوْا اَہْلَ اِلٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ حَیِّیْنَ :

قاعدہ جس امر کا انکار کیا گیا ہے۔ اس کا ہیرو استفہام کے بعد ہی آنا اور اس سے متصل ہونا ضروری ہے۔ اور اوصاف کم ربکم بالبنین میں ہیرو اَصْفَا پر داخل ہوا ہے حالانکہ وہ منکر نہیں۔ بلکہ یہاں مقولہ کفار۔ اِنَّ اللّٰہَ اَتَّخِذُ مِنَ الْمَلَائِکَةِ اَنَاثَا کا انکار کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس جگہ دونو جملوں کے مجموعہ پر منکر ہونا مراد ہے۔ اور ان دونوں کے ملکر ایک کلام بنتا ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ وجمع بین الاصفاء بالبنین والتخاذ البنات -

امر۔ یہ انشا کی ایک قسم ہے۔ بمعنی طلب فعل۔ صیغہ اس کا اَفْعَلُ لَیَفْعَلُ ہے۔ امر بحباب کی حالت میں حقیقت ہوا کرتا ہے۔ جیسے و اَقِمْوْا الصَّلٰوۃَ فَلِیَصْلُوْا مَحَلَّکُمْ اور بجا رُجْدِ مَعْنُوْل میں آتا ہے (اَلَا نَدْبُ رُبَّ رَیْغِیْغَہُ کَرْنَا) اِذَا قَرِئْتُ الْقُرْاٰنَ فَانصَبْوْا - (۲) اباحت - فَکَاتِبُوْاھُمْ - اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا - (۳) کم درجہ والے کی طرف سے دُعا - دَعِیْ اَغْفِرْہِیْ - (۴) تہدید - اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ - اس واسطے کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ انہیں ہر ایک کام کی جس کو وہ چاہیں۔ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (۵) امانت - ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ - (۶) تسخیر یعنی ذلیل بنانے کے لئے - کُنُوْا قِرْدًا خَاسِیْنٌ - (۷) تعبیر - فَاتَّبِعُوْا سُوْرَۃً مِّنْ مِّثْلِہٖ - کہ غرض اس سے رتیاں آیت نہیں ہے۔ بلکہ ان کی عاجزی کا اظہار مطلوب ہے۔ (۸) امتنان (احسان پذیری) کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ اِذَا اَنْشَرْنَا - (۹) تشعب - اَنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبَ الْاِلَہُ الْاَمْثَالَ - (۱۰) تسویہ - فَاصْبِرْ وَلَا تَھْزِبْ - (۱۱) ارشاد - وَاشْهَدْ مَا اِذَا تَبَايَعْتُمْ - (۱۲) اتقوا النِّقْمَا اِنَّمَا تَمْلُقُوْنَ - (۱۳) اَنْذَارٌ - فَمَنْعُوْا - (۱۴) اکرام - اَدْخِلُوْاھَا - بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ - (۱۵) تکوین - کُنْ فَاَکُوْنُ - اس میں بہ نسبت تسخیر کے زیادتی ہے (۱۶) انعام - رَنْمَتْ کِیْ یَا دُوْنِیْ کُلُّوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ - (۱۷) تگذیب - قُلْ فَاتَّقُوا

بالتوراة فاقولوا هان كنتم صدقین - (۱۸) مشورت - فانظر ماذا تری -

(۱۹) اعتبار - فانظر ملائی ثمره - (۲۰) تعجب - اسمع بهم والبرہ -

نہی - یہ بھی انشا کی قسم ہے

نہی کسی فعل سے باز رہنے کی طلب کو کہتے ہیں - صیغہ اس کا لَا تَفْعَلْ ہے - نہی تحريم کے معنے میں حقیقت ہے - اور مجازاً چند معنوں میں استعمال ہوتی ہے ؛

(۱) کراہت - لا تمش فی الارض محجاً - (۲) وعا - رینا لا تزعغ قلوبنا بعد اذ

هدینا (۳) ارشاد - لا تستلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوءکم - (۴) تسوہ -

اصبر ولا تصبر - (۵) افتقار و قلیل - ولا تمدن عینیک - یعنی وہ چیز حقیر اور

قتیل ہے - (۶) عاقبت - ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل

احیاء - یعنی جہاد کا انجام کاحیات ہے - نہ کہ موت - (۷) یاس - لا تعتدوا

(۸) امانت - اخسوا فیہا ولا تکلمون -

تمنی

تمنی یہ ہے کہ بسبیل محبت کسی شے کے حصول کی آرزو کی جائے - یعنی طلب کی جائے - اور تمنیٰ

کے لئے جانے والے امر کا امکان مشروط نہیں - بخلاف مترجی کے - کہ اس کا امکان مشروط

ہے - اس کا موضوع لہ حرف لیت ہے - یَلِیْتُنَا نُرَدُّ - یَلِیْتْ فوہی

یحلسون ؕ

اور هل کے ساتھ جیسے هل لَنَا من شفعا فیشفعوا لَنَا - یہ ایسے مقام پر ہوتا

ہے - جہاں کہیں آرزو کئے جانے والے امر کا فقدان معلوم ہوتا ہے ؕ

اور لو کے ساتھ مثل قوله فَلَوْا لَفَ کَرَّةً فَتَكُونُ - یہاں تمنیٰ ہی کی وجہ سے

جواب میں فعل کو نصب دیا گیا ہے ؕ

اور امور بعیدہ کے بارے میں لَعَلَّ کے ساتھ آتا ہے - لَعَلَّی اَبْلَغُ الاسبَابِ اسبابِ

السَّلَواتِ فَاطْلَحْ - جواب کے نصب دینے میں اس کو لیت کا حکم دیا گیا -

ترجی - انشا کی ایک قسم ہے - اس میں آرزو کئے جانے والے امر کا امکان مشروط ہوتا

مطلوب ہو۔ وَاِنِّیْ اَظُنُّکَ بِمَوْسٰی مُسَحُوْرًا۔

خاندان۔ زخمی و غیرہ ائمہ گفت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہ نسبت اور حروف کے یا اٹھا کے ساتھ ندا کی کثرت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس کلمہ ندایں کئی وجہیں تاکید کی اور تعدد اسباب مبالغہ کے پائے جاتے ہیں۔ یا حرف ندایں تاکید و تنبیہ ہے۔ ہا میں بھی تنبیہ پائی جاتی ہے۔ ائی میں ابہام سے توضیح کی جانب تذبذب (تدریجی ترقی) پایا جاتا ہے۔ اور مقام میں مبالغہ و تاکید کے لئے مناسبت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اوامر و نہایں و عطا و پند۔ زجر و توبیخ۔ وعد۔ وعید اور گزشتہ قوموں کے حالات بیان کرنے کی قسم سے جتنی باتوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ندا کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کو ان کے ناطق بنایا ہے۔ وہ سب کے سب بڑے عظیم الشان امور ہیں۔ اور نہایت ہی قابل توجہ باوجود اس کے جب بندے ان امور کی طرف توجہ کرنے سے غافل پائے گئے۔ تو مقتضائے حال ہی تھا۔ کہ ان کی ندا کے لئے نہایت بلیغ اور حد درجہ کی تاکید ظاہر کرنے والا لفظ ندایں استعمال کیا جائے۔

قسم۔ انشا کی ایک قسم ہے

اس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ وہ جملہ خبریہ کی تاکید اور سامع کے نزدیک اس کی تحقیق کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کے کیا منہ ہیں۔ اگر وہ مومن کے یقین دلانے کے لئے ہے۔ تو وہ محض خبر الہی ہی کی تصدیق کر لیتا ہے۔ اس کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر منکرین کے لئے کھائی جاتی ہے۔ تو کچھ مفید نہیں۔ تفسیر میں اس طرح پر جواب دیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید کا نزول قواعد زبان عرب کے موافق ہوا ہے۔ اور اہل عربیت جب کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو وہ اسے قسم کھا کر بیان کرتے ہیں۔ امام قشیری کہتے ہیں۔ فصل خصوصیات کے دو طریق ہیں۔ شہادت کے ساتھ یا قسم کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں سے اپنے کلام کو ادا فرمایا ہے۔ مثل قوله۔ شہدا اللہ انہ لا الہ الا هو والمسلکة واولو العلم۔ وقوله قل ای ربی انہ الحق۔ فورد السماء فلا دض انہ الحق وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے (۱) اِنِّیْ وَرَبِّیْ -
 (۲) قُلْ عَلٰی وَرَبِّیْ لَتَبْعُنَّ (۳) فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیْطٰنِ (۴) فَوَرَبِّكَ لَنَسْلُکَنَّهُمْ
 اَجْمَعِیْنَ (۵) فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۶) فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ ؕ
 اور باقی تمام قسمیں اپنی مخلوقات کے ساتھ کھائی ہیں۔ مثلِ قولہ - وَالَّتِیْنَ وَالَّذِیْنَ
 وَالصَّافٰتِ - کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی قسم کیونکر کھائی۔ حالانکہ شریعت میں
 غیر اللہ کے ساتھ قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اور پھر قسم اس شے کے ساتھ کھائی جاتی
 ہے۔ کہ جو معظم ہو۔ یعنی قسم کھانے والا اس کی تعظیم کرتا ہو۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ سے برتر
 کوئی چیز نہیں۔ تفاسیر میں اس طرح جواب دیا گیا ہے۔ (۱) ان مقامات میں مصافحہ
 ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ - رَبِّ التِّیْنِ وَرَبِّ الزَّیْتُوْنَ وغیرہ - (۲) اہل عرب
 ایسی چیزوں کی قسم کھایا کرتے تھے۔ اور کلام انہی کے اندازِ محاورہ پر نازل ہوا ہے (۳)
 مصنوعات وجود و صانع۔ اس کی حکمت و قدرت کی بین علامات ہیں۔ لہذا تنبیہ ان کے
 ساتھ قسم کا استعمال ہوا ہے ؕ

تفسیری کہتے ہیں قسم دو وجہوں سے کھائی جاتی ہے۔ شے کی فضیلت کے سبب سے
 یا اس کی منفعت کے اعتبار پر فضیلت کی مثال - وَهٰذَا بَلَدُ الْاَمِیْنِ - لَمَسْرٰکَ اَنھم
 لَعْنٰ سَکَرَتھم یعمھون، منفعت کی مثال - وَالَّتِیْنَ وَالَّذِیْنَ - وَالشَّمْسِ
 کہا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر محذوفۃ الفعل قسمیں واوہی کے ساتھ آئی ہیں۔ اور جس وقت
 حرف ب قسمیہ لاتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ فعل لایا جاتا ہے۔ قولہ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ یَخْلِفُوْنَ
 بِاللّٰهِ - اور فعل کے محذوف ہونے کی حالت میں حرف ب نہیں لایا جاتا۔ اسی وجہ سے
 بِاللّٰهِ اِنَّ الشَّمٰکَ لَظُلْمٌ - یَمَاعِدٌ عِنْدَکَ حَقٌّ کو قسم قرار دینا صحیح نہیں ؕ
 کلام مجید میں پندرہ سو نہیں ہیں۔ جن کا آغاز قسم سے ہوا ہے۔ -

وَالضُّفٰی (ملائکہ کی قسم سے) - طٰلِقٌ - بَرُوجٌ - (افلاک کی قسم سے) النّٰجِمٌ - الْقَمَرُ
 الشَّمْسُ - الذِّیْلُ - الْفُجَّی - الْحَصٰی (ان چھ سورتوں میں توابع و لوازم فلک کی قسم وارد
 ہوئی ہے) وَالذَّٰیْقِیَّتِ - وَالْمَسْلُتِ (ہوا کی قسم سے) - وَالطَّوْسِ (رٹی کی قسم سے)

ان تینوں سورتوں میں عناصر کی قسم دار ہوئی ہے۔ والتین (نباتات کی قسم سے)
والنّٰزعات (حیوان ناطق کی قسم سے) والعادیات (جانوروں و چرند کی قسم سے) و
فائدہ۔ جب ایک ہی شخص کے لئے مکہ رفتیں آئیں۔ تو احسن یہ ہے۔ کہ صفات
کے معنوں میں عطف کے ذریعہ سے بُعد والا جائے۔ مثلاً ہوا الاول والاخر والظاہر
والباطن۔ اور اگر ان صفات میں شدت اتصال ہے یا ایک دوسرے پر وہ ترتب
میں۔ تو عطف کی ضرورت نہیں۔ مثلاً الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم ملک يوم الدين
ایسے ہی اگر تکرار لغت شخص واحد کے لئے نہیں۔ تو ترک عطف جائز ہے۔ قول۔ وَلَا
تَطْعُ كُلَّ جَلَدٍ مِّمَّيْنِ۔ ہتھانہ مشاء بنسیم۔ متاع۔ للخیر۔ محمّد۔ انشیم مغلّ
بعد ذلک زینیم۔

بدل۔ اس سے ایہام کے بعد ایضاح مطلوب ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ بیان اور
تاکید ہے۔ بیان کا فائدہ تو ظاہر ہے۔ مثلاً حبسوت لایبّ زیداً اُخاک کما جاتا ہے۔
تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے۔ کہ اس زید کو دیکھا ہے۔ جو مخاطب کا بھائی ہے۔ اور تاکیک
یہ فائدہ ہے۔ کہ وہ بدل تکرار عامل کی نیت سے آتا ہے۔ اس لئے گویا بدل و مبدل منہ دو
جملوں کے دو لفظ ہیں۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ بدل اسی پر دلالت کرتا ہے جس پر مبدل
منہ دلالت کرتا ہے۔ یہ دلالت بدل کل میں مطابقی۔ بدل بعض میں تضمنی اور بدل اشتمال میں
الترامی ہوتی ہے۔ مثال بدل کل۔ اهدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم
بدل بعض کی قولہ للہ علی الناس حج البیت من استطاع زینہ سبیلہ۔ بدل اشتمال کی
ایستوفک عن الشہر الاحرام قتالہ فیہ قتل فیہ کبیر۔

فائدہ۔ بدل سے صرف یہی مقصود نہیں ہوتا۔ کہ وہ مبدل منہ میں عارض ہوئے والے
اشکال ہی کو رفع کرتا ہے۔ بلکہ بعض بدل ایسے ہوتے ہیں جن سے باوجود اس بات کے کہ
ان کا قبل تاکید سے مستغنی ہوتا ہے۔ پھر بھی تاکید مراد ہوتی ہے۔ قولہ انک لہدی
الی صراط مستقیم۔ صراط اللہ۔ کیونکہ اس میں اگر دوسرا صراط ذکر نہ کیا جاتا۔ تو بھی اس میں
کوئی شک نہیں تھا۔ کہ صراط مستقیم۔ صراط اللہ ہی ہے۔

بیان بعض توابع

صفت - یہ ان معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ جو اس کے متبوع موصوف میں پائے جاتے ہیں۔ اسباب صفت یہ ہیں۔ (۱) تخصیص جبکہ اس کا موصوف نکرہ ہے۔ فخر پر رقبۃ مومنینہ۔ (۲) توضیح جبکہ موصوف معرفہ ہے ورسولہ الہی الا حتی اس طرح کی صفات کو قید احترازی کہتے ہیں۔ (۳) محض مدح و ثنا بدوں قصد توضیح و تخصیص مثلاً صفات اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ان دونوں صفتوں سے محض ثنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ اللہ معرفہ ہے۔ اور اس میں تعدد کی گنجائش نہیں۔ (۴) اظہار ذمہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ وصف رجیم محض اظہار ذمہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ شیطان معرفہ ہے۔ اور ایک ہی ہے۔ (۵) رفع ابہام تاکید کے سبب مثلاً لا تتخذوا الہین۔ اثنین۔ اثنین کا لفظ بدثنیہ کے واقع ہے۔ پس یہ صفت موکدہ ہے۔ یعنی اثنین صیغہ الہین سے سمجھی جاتی تھی۔ پھر اس کی تاکید میں اثنین لایا گیا۔ وکلا اثر بطیر یجنحہ۔ بطیر اس بات کی تاکید کیلئے کہ یہاں طائر سے حقیقت پرند ہی مراد ہے۔ اس لئے کہ اس کا اطلاق مجاز کے طور پر پرند کے سوائے اور جانور پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور یجنحہ حقیقت طیران کی تاکید کے لئے ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات طیران کا اطلاق مجازاً زور سے دوڑنے والے پر بھی کر دیتے ہیں۔ یقولون بالسننہم السنۃ تاکید کے لئے ہے کہ قول کا اطلاق غیر سانی قول پر بھی ہوا کرتا ہے۔

قاعدہ - عام صفت خاص صفت کے بعد نہیں آیا کرتی۔ قولہ - الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم کان رسولاً نبیاً میں جو کہا گیا ہے۔ کہ نبی صفت عام ہے۔ اور رسول صفت خاص کے بعد واقع ہوئی۔ یہ - یہ صحیح نہیں۔ بلکہ نبیاً حال واقع ہے۔ نسبت نہیں۔ اور اس کے معنی ہیں۔ کہ وہ اپنی نبوت کے زمانے میں رسول تھے۔

قاعدہ - صفت کا وقوع جب دو ایسے متضائف یا ہم مضاف و مضاف الیہ ہونے والے چیزوں کے بعد ہو۔ جن میں سے پہلی عدد تو اس وقت جائز ہوگا۔ کہ اس صفت کا اجراء مضاف الیہ اور مضاف الیہ دونوں سے ایک پر کیا جائے مضاف پر صفت کے اجراء کی مثال

یہ ہے۔ سَبَّحَ سَمَوَاتِ طِبَاقاً اور مضاف الیہ پر اجرائے صفت کی مثال ہے۔ سَبَّحَ
بقراءت معان ۷

عطف بیان بدل تاکید
اور لغت میں فرق

ہے۔ ان میں فرق یہ ہے۔ کہ یہ اپنے متبوع کی تکمیل صرف شرح و تبیین سے کرتا ہے۔
متبوع میں پائے جانے والے کسی معنی یا سبب پر واپس ہو کر نہیں کرتا۔ اور اپنی ولادت
کی تقویت میں تاکید کا قائم مقام ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ تاکید کی طرح مجاز کے توہم کو رفع
نہیں کرتا۔ اور استقلال کی صلاحیت رکھنے میں بدل کے مشابہ ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ
اس کے اطراح کی نیت نہیں ہوتی۔ مثلاً قولہ۔ فیہ آیات بینات مقام ابراہیم۔
وقوله من شجرة مباركة زیتونہ ۷

اور کبھی محض مدح کے لئے لایا جاتا ہے۔ قولہ۔ جعل اللہ الکعبۃ البیت المحرام کہ
یہاں پر بیت الحرام مدح کے لئے عطف بیان ہوا ہے۔ نہ ایضاح کے لئے۔
اور کہا ہے بدل و عطف بیان میں فرق یہ ہے کہ بدل خود مقصود ہوا کرتا ہے۔ اس طرح
کہ گویا تم بدل کو بدل نہ کہے موضع میں مقرر کر دیتے ہو۔ اور عطف بیان اور اس کا موقوف
دونوں اپنی اپنی جگہ مقصود رہتے ہیں ۷

خاص کا عطف عام پر (تجرید)

اس عطف کا نام تجرید ہے۔ گویا خاص عام سے بلحاظ تفضیل منفرد الذکر کیا گیا ہے۔
قولہ حافظوا علی الصلوة والصلوة الوضو ۷ و قوله وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ تَدْعُونَ
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
اس جگہ خاص و عام سے وہ دو امر مراد ہیں۔ جن میں سے پہلا امر دوسرے امر کو شامل
ہوتا ہے۔ اور اصطلاحی خاص و عام مقصود نہیں ۷

عام کا عطف خاص پر

غرض اسی سے تعمیم اور عام کی حالت کا ملحوظ رکھنا ہے۔ مثلاً اِنَّ صَلَاتِي وَنَسْكَی وَ

حَيَّائِ وَمَمَاتٍ - کہ نسک بمعنی عبادت ہے اور وہ صلاۃ سے عام ہے۔

ایضاح بعد الابیہام - غرض اس سے ایک معنی کو دو صورتوں میں ادا کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ بھی کہ وہ معنی نفس میں از حد جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ رت اشہم لی صدری - کہ صدری اس طلب کی تفسیر ہے۔ جو اشہم کے معنی سے سمجھی جاتی ہے۔

تفسیر - غرض اس سے التباس و خفا کے خوف کا رفع کرنا ہے۔ قولہ مثل عیسٰی مکمل آدم خلقہ من تراب - اس میں خلقہ اور اس کا مابعد مثل کی تفسیر ہے۔ و قولہ - لا تختذ واعدوی وعد قلم اولیاء تلقون الیہم بالموتوقہ اس میں تلقون سے الخ تفسیر اولیاء بنائے جانے کی

کہا ہے کہ جس وقت کوئی جملہ تفسیر ہوتا ہے اس وقت اُسے ملائے بغیر صرف اس کے قبل پر وقف کر لینا اچھا نہیں۔

اسم ظاہر کو اسم مغمر کی جگہ لانا - اس میں چند فوائد مد نظر ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر (قراردینا) و ملکین (جگہ دینا) - استوار بنانا - قولہ تعالیٰ - قل هو اللہ احد اللہ الصمد - کہ اس کی اصل ہوا القمہ ہے۔ و قولہ - بالحق انزلنہ و بالحق نزل - و قولہ یقویون ہومن عند اللہ وما ہومن عند اللہ۔

(۲) قصہ تعظیم کے لئے - یعلمکم اللہ واللہ بكل شیء عظیم - و قولہ و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً۔

(۳) بغرض انانت و تحقیر - اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ہم الخ و (۴) رفع التباس - جہاں ضمیر اس بات کا وہم دلاتی ہو کہ وہ اولئک کے سوائے دوسری چیز سے قولہ - قل اللہم مالک الملک توئی الملک - اگر یہاں توثیق کہا جانا - تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا کہ ضمیر کا جمع پہلے ملک کی طرف ہے۔ جو کہ مالک الملک میں ہے۔ و قولہ یظنون باللہ ظن السوء علیہم دائرۃ السوء - فبدلاً با و عنیتہم قبل و عا خبیہ ثم استخرجہا من و عا خبیہ - یہاں پر مثنی نہیں فرمایا۔ تاکہ رخ کی طرف ضمیر عود کرنے کا وہم نہ پیدا ہو جائے اور یہ بات ایسی ہو جائے۔ کہ گویا یوسف علیہ السلام بذات خود اس پیمانہ کے نکلنے کی طلب کرنا

حالانکہ صورت واقعہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود یوسف علیہ السلام کا بیٹا نہ کی تجسس میں مصروف ہونا ان کی ظاہر واری کے خلاف ہے۔ لہذا یہاں پر حفظاً پر اس بات کی نفی کے لئے اعادہ کیا گیا۔ اور من دعائے اسو اسطے نہیں کیا۔ تاکہ ضمیر و نصف کی طرف عود کرنا وہم نہ پیدا کرے۔ کیونکہ استخبر جہا کی ایک ضمیر ان کی طرف عاید ہو چکی تھی۔

(۶) سامع کو مرعوب و ہدیت زدہ بنانے کے لئے۔ قولہ ان اللہ یا مہرکہ بالعدل (۷) تخریص و ترغیب یعنی ماحور کی ترغیب کی تقویت مد نظر ہوتی ہے۔ قولہ۔ فاذا عنہ فتوکل علی اللہ۔ ان اللہ یحب المتوکلین۔

(۸) بات کو پھیلا کر اور بڑا کر کے بتانا۔ ہل ائی علی الا انسان حیث من اللہم لم یکن مشیئاً مذکوراً۔

(۹) تلذذ۔ یعنی شے کے ذکر سے لذت حاصل کرنا۔ قولہ۔ فاورثنا الارض نبوغاً من الجنة۔ اس میں مہنا نہیں کہا گیا۔ اسی واسطے ارض کے لفظ سے جنت کی طرف عدول کیا گیا۔ (۱۰) ظاہر سے بواسطہ وصف توصل چاہنا قولہ۔ فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامحی الذی یومن باللہ۔ یہاں امنوا باللہ و بی نہیں فرمایا۔ کہ غرض اس سے اظہار اس امر کا ہے کہ یہ شخص پر ایمان لانا اور جسکی پیروی کرنی واجب ہے۔ وہ ان صفات سے متصف ہے اور اگر اس کی گنجی کہا جاتا۔ تو اس وقت یہ فائدہ فوت ہو جاتا۔

(۱۱) علقت حکم پر تنبیہ کرنا۔ فبذل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قبیل لہم۔ قولہ۔ فانزلنا علی الذین ظلموا احسن آذان اللہ عدو الکفرین۔ یہاں عدو الکفرین نہیں فرمایا۔ کہ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے۔ کہ جو شخص ان (رسولوں) سے عداوت رکھتا ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بوجہ اس کے کفری کے دشمنی رکھتا ہے۔

(۱۲) بغرض قصہ قصص۔ قولہ۔ الیٰ ہا جرہن معک و اھلہ اؤ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اواذ النبی ان یستکھھا۔

(۱۳) استیناف یعنی اس میں۔ اشارہ ہوتا ہے۔ کہ جملہ پہلے جملے کے حکم میں داخل نہیں۔ قولہ۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک و یمحی اللہ الباطل۔ کیرح اللہ حکم شرط میں

داخل نہیں۔ بلکہ وہ استیناف ہے۔

(۳۱) رعایت کلمات متجانسہ۔ قولہ۔ قل اعوذ برب الناس۔ ملئک الناس۔ العالمات
(۳۲) ترصیع و ترکیب میں الفاظ کے ہمزون ہونے کی مراعات۔ ان فصلیٰ محذہما فتدکو
احذہما الاخریٰ۔

رہا اسم ظاہر کسی ایسی ضمیر کا احتمال کرے۔ جو کہ ضروری ہے۔ قولہ۔ ایما اہل قریہ
استطعمھا اھلھا۔ اگر اس جگہ استطعمھا کہا جاتا۔ تو یہ اس واسطے صحیح نہ ہوتا کہ
خفرو موسے نے گاؤں سے کھانا طلب نہیں کیا تھا۔ اور اگر استطعمھا ہم کہا جاتا۔ تو بھی
صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ استطعمھا قریہ کی صفت ہے۔ اور قریہ نکرہ ہے اور یہ اہل قریہ کی صفت
نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ اہل میں کوئی ضمیر ہو۔ جو قریہ کی طرف عود کرے۔ اور یہ بات
بغیر ظاہر طور پر تصریح کرنے کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔

ایضاً۔ کسی خاص غرض کے لئے کلام کے ساتھ ایک زاید جملہ لانا۔ مثل قولہ۔ لیقوم
اتبعوا المرسلین اتبعوا اس لا یستلکمما جملہ دھم مھتدون۔ وھم مھتدون۔ جملہ بھال
ہے۔ اس واسطے کہ اگر یہ نہ کہا جاتا۔ تاہم کلام کے معنی پورے ہو جاتے۔ اس لئے کہ رسول
لاحالہ راہ یافتہ ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس جملہ میں لوگوں کو رسولوں کی پیروی پر ابھارنے
اور ان کو اس بات کی ترغیب دلانے میں ایک قسم کا زاید سبب لگایا تھا۔ اس واسطے اسے وارو کیا
مذیل۔ وہ یہ ہے۔ کہ ایک جملہ کے پیچھے دوسرا جملہ لایا جائے۔ جو کہ پہلے جملے کے منطوق
یا مفہوم کی تاکید کیواسطے اس کے معنی پر شامل ہو۔ تاکہ جس شخص نے جملہ اولیٰ کو نہیں سمجھا۔
اس لئے معنی کو ظاہر کر دے۔ اور جس شخص نے وہ معنی سمجھ لئے ہیں۔ ان کے نزدیک ان
معنوں کا تقرر کرے۔ مثلاً ذلک جزئہم بما کفروا وھل نجازی اکا الکفر۔ قل
جاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا۔

طرز و عکس۔ یہ اس بات کا نام ہے۔ کہ دو کلام اس طرح لائے جائیں۔ جن میں سے پہلا
کلام اپنے منطوق کے ذریعہ سے دوسرے کلام کے منطوق و مفہوم کی تقریر کرتا ہو۔ اور یا اس
کے برعکس ہو۔ قولہ۔ لا یعصون اللہ ما اھمہم ینفعلون ما یؤمرون۔

تمکین۔ جسے اخراں بھی کہتے ہیں۔ ایسے کلام میں جو خلاف مقصود ہونے کا وہم و گمان ہو
کوئی ایسی بات لائی جاوے۔ یہ جو کہ اس وہم کو رفع کرے۔ مثلاً اَذَلَّتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعْرَاقُ
عَلِیْ الْكَافِرِیْنَ۔ اگر اس جگہ اَذَلَّتْ پر کفایت کر لی جاتی۔ تو اس سے وہم ہوتا۔ کہ یہ بات انکی
کمزوری کے باعث ہے۔ لہذا خداوند نے اس وہم کو اپنے قول اعتراف سے رفع کر دیا۔ و
قوله۔ اَشَدَّ اَعْلَى الْكَفَّارِ حَمَآ وِیْنَهُمْ۔ اگر اس میں صرف اَشَدَّ پر کفایت کر لی جاتی
تو وہم پیدا ہوتا۔ کہ یہ بات ان کی بد مزاجی کے باعث سے ہے۔

تتیم۔ ایسے کلام میں جو کہ غیر مراد کا وہم نہ ولانا ہو۔ ایک فضلہ (متعلق جملہ) اس طرح کا لایا جائے
جو کہ کسی نکتہ کا فائدہ دے۔ مثلاً قوله۔ وَیُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهِ میں عَلٰی حُبِّهِ متعلق مبالغہ
کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ لوگ باوجود طعام کی محبت کے۔ یعنی اسکی
استہوا و خواہش کے سکیں کو کھانا کھانا بہت ہی نامہ ثواب کا موجب و قولہ ذاتی المال
عَلٰی حُبِّهِ۔ و قوله۔ وَمِنْ اِحْسَالِ سِنِ الطَّائِفَاتِ رَهْمًا مِّنْہُمْ میں جملہ وھو مؤمنین تتیم کے
لئے آیا ہے۔

استقصاء۔ اور وہ اس بات کا نام ہے۔ کہ مکمل ایک معنی کو لے کر اس کا استقصاء
(کرید کرے)۔ اور اس کے تمام ذاتی صفات کی جستجو اس طرح کرے۔ کہ اس شخص کے بعد کوئی
دوسرا آدمی اس معنی کو استعمال کرے۔ تو اسے کوئی گنجائش نہ پائے کھوٹنے کی نہ ملے اور اس
معنی کے تمام عوارض و لوازم بیان کر دے۔ مثلاً قوله۔ اَیُّوْذُ اَحَدُكُمْ اِنْ تَكُوْنُ لَہٗ جَنَّةٌ
مِّنْ نَّخِیْلِ وَاَعْنَابٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْهَارُ فِیْہَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاَصَابَہُ الْکِبَرُ وَلَہٗ
ذَرِیَّةٌ ذُرِّیَّتُہٗ فَاَصَابَہَا اَعْصَابٌ مِّنْ ذُرِّیَّتِہٖ نَارٌ فَاُحْتَرِقَتْ کَذٰلِکَ یَبِیْنُ اللّٰہُ لَکُم
الْاٰیَاتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔

اگر جنت میں پہ کفایت کر لی جاتی۔ تو بھی ہو سکتا تھا۔ مگر اس پر توقف نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس
کی تفسیر میں من نخیل و اعناب ایسے کھجور کے درختوں اور انگور کی سیلوں کا باغ فرمایا۔ کیونکہ
ایسے باغ کے مالک کو اس کی تباہی سے سخت رنج پہنچتا ہے۔ پھر اس پر یہ کہا۔ کہ اس کے
بچے نہیں رہے ہیں (کی صفت کا اضافہ کیا۔ اور اس کے بعد مزید تکملہ وصف کے طور پر

ارشاد فرمایا۔ فیہا من کل الثمرات کہ اس میں ہر طرح کے میوے موجود ہیں۔ غرض باغ میں جتنی
 خوبیاں ہونی چاہئیں۔ ان سبھوں کو بیان کر دیا۔ تاکہ اس کی تباہی پر سخت رنج و تاسف ہو سکے
 اور بعدہ مالک باغ کی صفت میں فرمایا۔ واصابہ الکبر۔ کہ اسکا بڑھاپا آگیا ہو۔ پھر ایسی بات
 کے ساتھ جو مصیبت کی بڑائی کا موجب بنے۔ اسبارہ میں معنی کی اور بھی جستجو فرما کر مالک
 باغ کی بڑھاپے کی حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا ولہ ذریتۃؑ کہ اس کی اولاد بھی ہے۔
 اور اس پر اکتفا نہ فرما کر ذریت کی صفت ضحفا کے ساتھ بھی کر دی۔ بعد ازاں باغ
 کے استیصال و تباہ کرنے کا ذکر کیا۔ جو کہ اس مصیبت زدہ شخص کا تمام و کمال سرمایہ اور
 بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔ اور چشم زون میں اس کے ہلاک کر ڈالنے کا بیان فرماتے ہوئے کیا۔
 فاصاً بھا اِعْصَارٌ پھر اس پر بگولے سخت آندھیاں آئیں۔ فرید برآں یہ فرمایا۔ فیہ ناکہ
 کہ اس میں آگ ہے۔ اس پر اور زور دیا۔ کہ پھر اس نے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ کیونکہ اس
 میں یہ احتمال ہو سکتا تھا۔ کہ شاید بگولے کی آگ کمزور ہو۔ اور اس سے باغ کو چنداں نقصان
 نہ پہونچا۔ غرض اس کلام میں کامل استقصاء ہے۔

استقصاء۔ تمہیم۔ تکمیل میں فرق

تمہیم کا درود ناقص معنوں پر اس لئے ہوتا ہے۔ کہ وہ معنی تمام ہو جائیں اور اس کے
 آنے سے وہ معنی مکمل ہو جاتے ہیں۔ اور تکمیل کا درود ایسے معنوں پر ہوتا ہے۔ جس کے
 اوصاف تمام ہوں۔ اور استقصاء کو درود تمام اور کامل معنی پر ہوتا ہے۔ پس وہ اس
 معنی کے لوازم۔ عواض۔ اسباب۔ اوصاف کی کرید کر کے تمام ان باتوں کا استیعاب کر لیتا
 ہے۔ جن پر اس معنی کے متعلق خیال جاسکے۔ یہاں تک کہ پھر کسی شخص کو اس معنی میں گفتگو
 کی گنجائش یا کوئی بات نہ رہ جائے۔ کی جگہ باقی نہیں رہتی۔

اعظم (نسر) یا التفات

یہ اس بات کا نام ہے۔ کہ ایک کلام یا دو کلاموں کے مابین دفع ابہام کے سوا
 کسی اور نکتہ کے لئے ایک جملہ یا ایک سے زائد جملے اس طرح کے لائیں۔ جن کا اعراب میں
 کوئی محل نہ ہو۔ قول۔ وَیَجْعَلُونَ لِلّٰہِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَہُ وَہُمْ مَا یَشْتَهُونَ۔ اس جگہ

مُجَاجِدَةُ خداوند کی بیٹیاں ہونے سے اس کی تَنْزِیہ اور خداوند کے لئے بیٹیاں
 ٹھہرانے والوں کی خواری کرنے کے لئے بطور جملہ مقررہ کے وارد ہوا ہے۔ اور قولہ
 لَسْتَ خَلْقَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ انشاء اللہ اُمینین میں انشاء اللہ کا جملہ مقررہ ہے۔ اور
 برکت حاصل کرنے کی غرض سے لایا گیا ہے۔

اعراض و اعتراض کی مثال فَلَا اُقْسِمُ بِمَا وَقَعَ النُّجُومُ وَاللَّهِ لَقَسَمٌ لِّوَلَعَلَّوْنَ
 عَظِيمٌ کا انتہا لغمان۔ کہ یہاں قسم اور اس کے جواب کے مابین قولہ تعالیٰ وَاِنَّ
 لِقَمٍّ لَّكَ وَلَعَلَّوْنَ عَظِيمٌ مقرر ہو کر مقسم بہ کی تعظیم اس کے جلال کی تحقیق اور اس
 بات کو معلوم کرانے کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس کی عظمت
 ایسی ہے۔ جس کو وہ لوگ نہیں جانتے۔

تعلیل۔ اس کا فائدہ۔ تقریر ایک بات کو قرار دینا اور بالغیت (حد درجہ کو پہنچا
 دینا) ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی طبیعتیں ایسے احکاموں کے قبول کرنے پر آمادہ ہوا کرتی ہیں
 جنکی علت ان کے سوائے اور امور کے ساتھ بیان کی گئی ہو۔ اور قرآن مجید میں بیشتر
 تعلیل اس طرح آئی ہے۔ کہ کسی ایسے سوال کا جواب مقدم کیا گیا ہو۔ جس سوال کو جملہ اولیٰ
 نے چاہا ہے۔ اور تعلیل کے حروف یہ ہیں۔ ل۔ اِن۔ اِنْ۔ اِذ۔ ب۔ کئے۔ مَن۔
 لعل۔ اور ان چیزوں میں سے جو کہ تعلیل کی مقتضی ہوتی ہیں۔ ایک حکمت کا لفظ
 ہیں۔ مثلاً قولہ۔ حُكْمًا بِالْعَدَّةِ۔ (اعلیٰ درجہ کی حکمت)

انبیاء علیہم السلام کی کنیتیں والقباب و اسماء جو قرآن شریف میں آئے ہیں۔
 قرآن مجید میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے چھپیس نام آئے اور وہ مشاہیر
 انبیاء علیہم السلام ہیں۔

۱) آدم علیہ السلام حضرت ابوالبشر۔ اور کہا ہے۔ آدم بروزن افعل آدم سے صفت
 مشتق ہے۔ اسی لئے غیر منفرد ہے۔ اور کہا ہے۔ یہ سریانی لفظ ہے۔ اصل اوام بر
 وزن اوام دوسرے الف کو حذف کر کے عرب کر لیا گیا ہے۔ ثعالبی۔ عبرانی زبان میں
 اوام مٹی کو کہتے ہیں۔

(۲) نوح علیہ السلام اسم معتب - سریانی زبان میں نوح بمعنی شاکر اور کہا ہے - اصل نام آپ کا عبدالغفار ہے - کثرت نوح و نزاری کے باعث نوح کے نام سے موسوم ہوئے - چالیس برس کی عمر میں شرف نبوت سے مشرف ہو کر ۹۵ سال تبلیغ رسالت میں کوشاں رہے - واقعہ طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے ہیں ۛ

(۳) ادریس علیہ السلام - سریانی اسم ہے - یا عربی ہے - اور لفظ در اسد (درس و تعلیم دینا) سے مشتق ہے - آپ صحف آسمانی کا درس بکثرت دیا کرتے تھے - جامع کوفہ کے قریب آپ کا معبد ہے ۛ

(۴) ابراہیم علیہ السلام سریانی زبان کا اسم ہے - بمعنی اب رحیم - عربان باپ (اور کہا ہے - ابراہیم سے مشتق ہے - اور اس کے معنی میں شدۃ النظر و شفق سے شمال کی جانب تین میل کے فاصلہ پر بھاڑ کے اوپر ایک بستی (برزہ) ہے - جس میں آپ پیدا ہوئے ہیں - اور وہ ایک غاری ہے - اب وہاں ایک عالیشان مسجد بنی ہوئی ہے - اور زیار نگاہ ہے - اس کے قریب ایک قریہ (میت الامیر) ہے - اس میں وہ کنید ہے - جس میں آذرت تراشا کرتا تھا - اور ابراہیم علیہ السلام انہیں توڑ ڈالتے تھے - موصل و حلب کے درمیان حران ایک قدیم بستی ہے - اس سے ۹ میل کے فاصلہ پر ایک عالیشان مشہد بنا ہوا ہے - جو حضرت ساریہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معبد کہلاتا ہے -

(۵) اسمعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے منیر اب مکہ کے قریب آپ کی قبر کا نشان ہے - جس پر ایک منبر عظیم حراب کی شکل کا لگا ہوا ہے ۛ اور کن عراتی بیت کے قریب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ماجدہ کا مدفن ہے - اس پر بھی ایک منبر عظیم چھوٹا سا لگا ہوا ہے ۛ

(۶) اسحاق علیہ السلام عبرانی زبان کا لفظ ہے - بمعنی ضیاء (خندہ پیشانی) ۛ (۷) یعقوب علیہ السلام - حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے اور آپ کے بارہ فرزند تھے - یوسفؑ روبیلؑ - شمعونؑ - لاویؑ - یہوداؑ - دانیؑ - نفتالیؑ - کاؤؑ - یاشرؑ - ایشا جبرؑ - رایلونؑ - بنیامینؑ - انہیں پر اسباط کا اطلاق ہوتا ہے ۛ

۱۸) یوسف علیہ السلام اسم عجی۔ مصر سے ادھر کی جانب براہ قوص نیل کے کنارہ پر دو دن کے فاصلہ پر ایک غیر آباد موضع ہے جس میں یوسف علیہ السلام کا جنم تھا۔ اور وہیں ایک وسیع اھرا (غار) ہے جس میں آپ نے غلہ جمع کیا تھا۔ اسوقت وہ بالکل کھنڈر ہے ۷

(۹) لوط علیہ السلام ۷

(۱۰) ہود علیہ السلام ۷

(۱۱) صالح علیہ السلام جب قوم عاد پلاک ہوئی۔ اور قوم ثمود نے ان کی جگہ سنبھالی۔ تو حضرت صالح علیہ السلام عالم جوانی میں ان کے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور قوم ثمود عرب سے ہے ۷

(۱۲) شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء۔ قوم مدین اور اصحاب ایکہ۔ اصحاب البرس۔ تینوں قوموں کے رسول تھے ۷

(۱۳) موسیٰ علیہ السلام۔ سریانی زبان کا اسم ہے۔ قبلی زبان میں موبانی اور شادخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ کا صدوق نہر میں دھتوں کی لٹکتی ہوئی شاخوں کے درمیان پایا گیا تھا۔ اس لئے آپ موسیٰ کے نام سے پکارے گئے۔ مصر کی ادھر کی جانب براہ قوص نیل کے کنارے پر ایک متوسط آبادی کا قریہ (اسکر) ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے ہیں۔ اور وہیں آپ کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر ان کو نیل میں بہا دیا تھا۔ سنہ ولادت ۳۳۰ سال بعد قدم حضرت یعقوب علیہ السلام بمصر موافق ۴۴۴ سال بعد ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۴۹ سال مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے ہیں۔ (۱۴) ہارون علیہ السلام بیٹے یروغر نے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان سے ایک سال عمر میں بڑے ہیں ۷

(۱۵) داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے دوسرے بادشاہ۔ عہد حکومت چالیس سال ۷

(۱۶) سلیمان علیہ السلام۔ بنی اسرائیل کے تیسرے اولوالعزم بادشاہ تیرہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے اور چار سال بعد بیت المقدس کی تعمیر شروع کی ۷

(۱۷) ایوب علیہ السلام ستر سال کی عمر میں مبتلائے آزمائش ہوئے۔ اور سات سال بعد

خلاصی پائی۔ عمر ۹۳ سال ؑ

(۱۸) ذوالکفل علیہ السلام۔ اصل نام بشر ؑ سال ؑ

(۱۹) یونس علیہ السلام۔

(۲۰) الیاس علیہ السلام۔ ہمزہ قطعی ہے۔ ال یسین بھی آپ کا نام ہے ؑ

(۲۱) زکریا علیہ السلام۔ جب آپ کو حصول فرزند کی بشارت دی گئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۲ سال کی تھی ؑ

(۲۲) الیسع علیہ السلام اسم عجیب یا دوح یسع سے منقول غزنی اسم ہے ؑ

(۲۳) یحییٰ علیہ السلام۔ عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ قبل پیدا ہوئے بچپن ہی میں

خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آخر ظلم سے تنہید کر دیئے گئے۔ اسم عربی غیر منفرد ؑ

(۲۴) عیسیٰ علیہ السلام۔ محل میں رہنے کی مدت دو یا تین ساعت۔ رفع کے وقت آپ

کی عمر ۳۳ سال کی تھی ؑ

(۲۵) خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید

میں آپ کے نام کثرت سے لئے گئے ہیں۔ ارا بخلفہ احمد و محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ؑ

قرآن مجید میں نبوت کے نام

دو۔ موع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر۔ یہ قوم نوح علیہ السلام کے بُت ہیں ؑ

لات۔ عزیٰ۔ سناۃ قوم قریش کے اصنام ہیں ؑ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو۔ موع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر قوم

نوح علیہ السلام کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ مر گئے۔ تو قوم نے ان کی یادگاریں

بُت بنائے۔ اور انہیں کے نام سے موسوم کئے۔ آہستہ آہستہ جب اس بات کا علم اٹھ گیا۔ تو

وہ معبود بن گئے۔ اور ان کی پرستش شروع ہو گئی ؑ

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں اتجار کی عبادت اس طرح شروع ہوئی۔ کہ ان میں

سے جب کوئی سفر کرتا۔ تو حرم مبارک کا ایک پتھر ساتھ لے جاتا۔ یہ شکل کے وقت اس پتھر

کے گرد مثل بیت اللہ کے طواف کرتا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بات جاتی رہی۔ اور سراسر ایک خوشنما سفید پتھر کی پرستش شروع ہو گئی۔

ابن ہشام لکھتے ہیں۔ عمر بن لُحی کسی کام کیلئے مکہ سے شام کو گیا۔ حدود بلقا میں دیکھا۔ کہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ پوچھا۔ یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ خشک سالی میں ہم ان سے پانی مانگتے ہیں۔ وہ بارش برساتے ہیں۔ سختیوں میں امداد دیتے ہیں۔ وہ مدد کرتے ہیں۔ پھر عمران سے پہل نامی ایک بُت لیکر آیا۔ اور مکہ میں نصب کر کے لوگوں کو اس کی پرستش پر متوجہ کیا۔ پس یہ پہلا شخص ہے جس نے دینِ اسماعیل میں تغیر کیا۔ اور بتوں کو نصب کیا۔ پھر اساف اور اُمّ اَلْمِیَامِی دھاؤ بُت بنائے گئے۔ پہل بیت اللہ کے اندر اور اساف و نائمہ زمر کے قریب تھے۔ اور قوم کی یہ عادت قائم ہوئی۔ کہ جب سفر جاتے۔ تو بُت کو ہاتھ لگا کر نکلتے۔ اور واپس آتے۔ تو اس وقت بھی ان کو ہاتھ لگاتے۔ اور کچھ نذر بھی دیتے۔

سواع۔ بنذیل بن مدکہ بن الیاس بن مضر کا رباط میں نصب کیا ہوا بُت ہے۔ اس کو عمرو ابن العاص نے توڑا ہے۔

وذ۔ کلب بن وبرہ بن ثعلب قضاعی کا دوستہ اُجندل میں نصب کیا ہوا بُت ہے۔

نیوٹ۔ اسکو انعم دلی بن اودسائی نے جریش میں نصب کیا تھا۔

اشاو۔ فرعون کے بتوں سے ایک بُت کا نام ہے۔ ما اھل یکو سبیل الرشاد۔

یعوق۔ ہمدانیوں کا بُت ہے۔ ہمدان یمن میں قائم تھا۔

بعل۔ قوم الیاس کے بُت کا نام ہے۔ اصل نام سبیل توراہ میں ہے۔ کہ مدین بعل دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ یہ بُت سونے کا تھا۔ چودہ ہاتھ لمبا چار منہ تھے۔ خوشبو دار لکڑیاں سامنے جلائی جاتی تھیں۔ لوگ اپنی اولاد اس کے سامنے آگ میں ڈال دیتے تھے۔ یہ سنت تھی۔

ان کے سوا اُسے اور بھی بُت ہیں۔ جن کی پرستش عرب میں ہوا کرتی تھی۔

عم آئیس۔ خولانیوں کا بُت۔ قائم کردہ خولان قضاعی سبائی۔

سعد۔ بنی لکھان بن کنانہ کا بُت ہے۔ جو ان کے جنگل میں نصب تھا۔

بتوں کے سوا اُسے اہل عرب نے کعبۃ اللہ کی مانند طواغیت بھی بنائے تھے۔ یہ چھوٹے

چھوٹے حجرے تھے۔ جن کی تعظیم کعبۃ اللہ کی مثل کی جاتی تھی۔ ان کے لئے مثل کعبۃ اللہ سدنہ (ستولی امور) اور حجاب بھی تھے۔ ان حجروں کے گرد طواف کیا جاتا تھا۔ اونٹ فوج ہونے لگے۔ لیکن کعبۃ اللہ کی عظمت و فضیلت زیادہ مانی جاتی تھی۔ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا مقام تھا۔

یہ طوافت کہیں کہیں خالی حجرے تھے۔ اور کہیں کہیں ان میں بُت بھی رکھے ہوئے تھے طاعوت غزے قریش اور بنی کنانہ کا بُت ہے۔ بمقام نخلہ نصب تھا۔ اس کے سدنہ بنی شیبان سیلی حلفائے بنی ہاشم تھے۔ یہ ایک بُت تھا۔ ایک درخت کے نیچے چاروں طرف چھاروں اوری تھی۔ اس کو خالد بن ولید نے بحکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاٹا۔ تو اس میں سے ایک عورت شیطانہ نکلی۔ پریشان حال بکھرے ہوئے بال سر پر ہاتھ رکھے ہوئے دیں پکارتی تھی۔ حضرت خالد نے اپنی تلوار سے اُسے بھی کاٹ ڈالا تھا۔ وہ کہتی تھی۔ یا حسرے کفہ انک لا سیجا نذک انی دلایت اللہ قد اھنا نک۔ اس پر جو الف لام داخل ہوتا ہے۔ وہ مثل الف و لام لات کے زائد غیر عوض اس قبیل سے ہے۔ جو اعلام منقولہ پر داخل ہوتا ہے۔

طاعوت لات۔ بنی ثقیف کے بت کا نام ہے۔ طائف میں نصب کیا ہوا تھا۔ اس کے سدنہ و حجاب میں معتب ثقفی تھے۔ دراصل یہ ایک سویقا لات کرنے والے کی یادگار میں قائم ہوا تھا۔ اس لئے لات کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ ایک سفید پتھر تھا اور اس پر عبارت بنی ہوئی تھی۔

مناتہ۔ اوسیدوں۔ خزرجیوں اور ان کے حلفاء اہل یثرب کے طاعوت کا نام ہے۔ ساحل بحر پر نوح مثل میں بمقام قدید ایک چٹان پر نصب کیا ہوا تھا۔ جن کو ابوسفیان بن حرب یا علی کرم اللہ وجہہ کی سرکردگی میں سعد بن ابی زید اشہلی نے منہدم کیا۔ اس بُت میں سے سیاہ اندام ایک عورت برآمد ہوئی تھی۔ جس کو سعد نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

طاعوت ذوالخلفہ دوس اور خثعمیوں کے بُت کا نام ہے۔ بمقام حیلہ نصب تھا۔

جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ نے اسے گرایا ہے ؎

فلس - قبیلہ طی - سلی اور رجاؤ وغیرہم کا ثبت ہے - مقام جبل بنی طی میں
نصب تھا - حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے گرایا - اس میں سے دو تلواریں برآمد ہوئی
تھیں - ایک کا نام سوہ اور دوسری کا مخذم تھا - جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں لائی گئیں - اور آپ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پہنچے فرمادیں ؎

رُئَام - حمیرون اور یمنیوں کا طاغوت یا ثبت ہے - ضحائیں نصب تھا ؎

رضا - بنی ربیعہ بن کعب بن سعد بن تیم کا طاغوت ہے - مستو غر بن ربیعہ بن کعب
بن سعد نے اس کو منہدم کیا ؎

ذوالکعبات - طاغوت بنی بکر و بنی تغلب مقام سندرو میں نصب تھا - وغیرہ ؎

مباح وطبقات مفسرین

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے دس صحابی مفسر مشہور ہیں :-

(۱) ابو بکر صدیقؓ (۲) عمرؓ بن الخطاب (۳) عثمانؓ بن عفان (۴) علیؓ بن ابی طالب (۵) عبداللہ بن مسعود (۶) عبداللہ بن عباس (۷) ابی بن کعب (۸) زید بن ثابت (۹) ابو موسیٰ اشعری (۱۰) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خلفائے اربعہ میں سے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے تفسیر کے بارے میں بکثرت آثار مروی ہیں۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابوالمفسرین (ترجمان القرآن - جبر - بحر) سے تفسیر قرآن اور معانی قرآن کی روایتیں کثرت سے آئی ہیں۔ سب سے پہلے آپ مفسر کلام مجید ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دعا دی تھی - کہ اے اللہ تو اس کو دین میں فقیہہ راسخہ رکھنے والا بنا - اور اس کو تاویل کا علم عطا کر اور حکمت عطا فرما

تابعین میں سے ابن عباسؓ لکھتے ہیں - تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ ہیں - اس ^{سطح} کہ وہ ابن عباس کے رفقاء ہیں۔ شہسباجہ و عطاء بن رباح - عکرمہ بن عباس کے آزاد کو وہ غلام سعید بن جبیر - طاؤس وغیرہ - ایسے ہی کوفہ میں ابن مسعود کے اصحاب اور اہل مدینہ میں زید بن اسلم جس سے اس کے بیٹے عبدالرحمن بن زید اور مالک بن انس نے تفسیر اخذ کی ہے - ان سب میں سے مجاہد بڑے ہوئے ہیں - فضل بن سیمون کا قول ہے - کہ میں نے مجاہد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے - کہ میں نے تیس مرتبہ قرآن کو ابن عباس کے پیش کیا ہے اور تیس مرتبہ اس طرح پڑھا ہے - کہ اس کی ہر ایک آیت پر پڑھ کر اس کی بابت دریافت کیا کرتا تھا - کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیونکر تھی - ایسے ہی سعید بن جبیر کی تفسیر قابل اعتماد ہے - قتادہ - حمہ اللہ فرماتے ہیں - تابعین میں سے چار شخص بہت بڑے عالم ہیں - عطاء بن ابی رباح - سعید بن جبیر - عکرمہ - جن بصری - اور سفیان ثوری فرماتے ہیں - تم تفسیر کو چار حصوں سے اخذ کرو - مجاہد سے عکرمہ سے سعید بن جبیر و ضحاک سے

مشہور مفسر تابعین | پس مشہور مفسر تابعین سے حسن بصری - عطاء بن ابی رباح - عطاء بن

ابی سلمہ خراسانی - محمد بن کعب القرظ - ابو العالیہ - ضحاک بن مزاحم عطیہ العونی - قتادہ
 زید بن اسلم - مرو الہمدانی - اور ابو مالک - سعید بن جبیر - عکرمہ بن - رحمہم اللہ اجمعین ؑ
 ان کے بعد بیچ بن انس - عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا درجہ ہے - پس یہ حضرات قدمائے
 مفسرین سے ہیں - اور ان کے اقوال اس قسم سے ہیں - کہ انہوں نے ان کو اصحاب رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور پایا ہے ؑ

مثلاً تفسیر عطاء بن ابی سلمہ خراسانی - تفسیر ابو العالیہ - تفسیر ضحاک وغیرہ کہ ان میں صرف
 صحابہ کے قول تک مدّ تفسیر قرار دیا ہے - اسی زمانہ میں یہ قاعدہ منضبط ہو گیا تھا - کہ قرآن تفسیر
 کی تفسیر یا تو خود قرآن کی دوسری آیت سے کی جائے - یا صاحب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی حدیث مبارک سے جہاں یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں - وہاں صحابہ کے اقوال سے
 تفسیر کی جائے - کیونکہ انہوں نے اکثر آیتوں کے مطالب کو خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے بڑی کوشش و غور سے حل کیا ہے - اور ان کے کانوں میں یہ عبرتناک وارسی ہوئی
 تھی - کہ تفسیر قرآن میں عقل کو دخل دینا وبال جان ہے - لہذا اس بات میں صحابی کا قول حدیث
 مرفوعہ کا حکم رکھنا ہے ؑ

اس کے بعد ابن جریر - ابی حاتم ابن ماجہ حاکم بن مرویہ - ابن حبان - ابن المنذر -
 وغیرہم ہیں - ان تمام حضرات کی تفسیریں صحابہ کرام - تابعین اور تبع تابعین کی طرف منسوب
 ہیں - اس کے بعد جو تفسیریں تالیف ہوئیں - ان میں اکثر اسنادوں کو مخفی کر دیا گیا
 ہے - جس سے قول صحیح اور غیر صحیح میں پورا امتیاز نہیں ہو سکتا - ان تفسیروں میں
 مفسرین نے اپنی رائے کو بھی دخل دیا ہے ؑ

طبقات القراء

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یوں تو قرآن دان قرار (تعلیم قرآن دینے والے)
 بکثرت موجود ہیں لیکن ان تمام میں سے وہ صحابہ جن سے قرآن کریم کے مسلسل سلسلے جاری
 ہوئے ہیں - اور تمام صحابہ کے مدار قرأت تسلیم شدہ ہیں - وہ سات ہیں -

صحابہ میں تسلیم شدہ قاری عثمان بن عفان - علی بن ابی طالب - ابی بن کعب -

زید بن ثابت - عبد اللہ بن مسعود - ابوذر دوا - ابو شوسے اشعری -

قرائے تابعین مدینہ ان لوگوں سے بکثرت تابعین نے قرآن کی تعلیم پائی بمجملہ قراءات

کے مدینہ میں یہ لوگ تھے - ابن السبب - عرقہ - سالم - عمر بن عبد الغزیز - سلیمان - عطا -

یہ دونوں سارے فرزند ہیں - معاذ بن احارث المعروف بمفاد قاری - عبد الرحمن بن

سریز الاعرج - ابن شہاب الزہری - سلم بن جذب - زید بن اسلم ؓ

قرائے تابعین مکہ مکرمہ عبید بن عمر - عطاء بن ابی بلح - طاؤس مجاہد عکرمہ - ابن ابی طلحہ -

قرائے تابعین کوفہ کوفہ میں علقمہ - اسود - مسروق - عبیدہ - عمر بن شرجیل - حارث

بن قیس - زبیح بن خثیم - عمر بن سیون - ابو عبد الرحمن السلمی - زربن حبیش - عبید بن نفیلہ

عبید بن جبیر - نجفی - قتادہ ؓ

قرائے تابعین شام شام میں یعنی دمشق میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی - عثمان رضی

اللہ عنہ کے شاگرد - خلیفہ بن سعد بنی دردار کے شاگرد ؓ

پھر ایک گروہ کثیر نے قرأت میں اس قدر شہرت پائی کہ وہ خود مستقل فن قرأت کے

امام تسلیم کر لئے گئے - چنانچہ مدینہ میں ابو جعفر نزید - اور ان کے بعد شعیبہ بن نصاع

اور پھر نافع بن نعيم امام قرأت مشہور ہوئے ؓ

اور مکہ میں عبد اللہ بن کثیر - حمید بن قیس الاعرج - محمد بن ابی حفص امام مانے گئے ؓ

کوفہ میں یحییٰ بن وثاب - عاصم بن ابی النجود - سلیمان الاعمش یہ تینوں صاحب ہمعصر تھے

اور بعد میں ہمزہ و کسائی نامور ہوئے ؓ

بصرہ میں عبد اللہ بن ابی اسحاق - عیسیٰ بن عمر - ابو عمر بن العلاء - عاصم المجہری - یہ

چاروں صاحب ہمعصر ہیں - ان کے بعد یعقوب الحضری ہیں ؓ

دمشق میں عبد اللہ بن عامر - عطیہ بن قیس الکلابی - عبد اللہ بن المهاجر - اور پھر

یحییٰ بن الحارث الاماری - اس کے بعد شریح بن نزید الحضری نامور قراء ہیں -

انہیں مذکورہ بالا اماموں میں سے سات امام فن قرأت کے تمام دنیا میں مشہور و

معروف ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں :-

مشہور ائمہ قرأت (۱) امام نافع - انہوں نے بہتر تابعیوں سے قرأت اخذ کی ہے۔
اور وہ سات ہیں منجھ ان کے ابو جعفر بھی ہیں۔

(۲) امام ابن کثیر - انہوں نے عبد اللہ بن احباب سے تعلیم پائی ہے۔

(۳) ابو عمر - ان کے تمام استاد تابعی ہیں۔

(۴) ابن عامر - ابی درد اور غیرہ شاگردان عثمان سے تعلیم پائی ہے۔

(۵) عاصم - ان کے استاد قرأت تابعی ہیں۔

(۶) حمزہ - انہوں نے عاصم - ائش - سب سے منصور بن المعتمر وغیرہ تابعین سے قرآن

پڑھا ہے۔

(۷) کسائی - حمزہ ابی بکر بن عیاش کے شاگرد۔

اس کے بعد قاریان کلام مجید تمام دنیا میں پھیل گئے اور ہر زمانہ میں نامور و ممتاز

میں سے ہوتے رہے ہیں۔

بعض مشہور شہروں اور خاص خاص مقاموں کے نام جو قرآن مجید
میں مذکور ہوئے ہیں اور ان کی مختصر کیفیت

مکہ - بیت - بکہ - ام القریٰ

کہا ہے مکہ - محاورہ عرب غلگلت العظم - (جو کہ ہڈی میں مخ تھا) میں نے جذب کر لیا

سے ماخوذ ہے - اس مناسبت سے کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف بزور کھینچتا ہے۔

اور مکہ ماخوذ ہے بک (ذیل کرنا کوٹنا) ہے - چونکہ اس مقام پر بڑے بڑے گردن کشتوں

کی گردنیں جھکتی اور ان کے سر زمین پر گرتے ہیں - اس مناسبت سے اس مقام کو بک کہتے ہیں

اور یہ ماخوذ ہے التباک (اثر و طام) سے یہ شہر حجاز کا دار الخلافہ حضرت ابراہیم کی بناء حضرت سلیمان

بن ابراہیم جد عرب کی ہجرت گاہ - مولد حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہے - اس کا شمالی سلسلہ جبل فلق - جبل قیقحان - جبل ہندی - جبل لعلج - جبل

خود بین چلا گیا۔ اس کے بعد عمر بن حارث غنہانی خزاعی متولی بیت اللہ ہوا۔ ایک مدت تک خزاعی یہ خدمت ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حلیل بن جہشہ خزاعی متولی ہوا۔ یہ لاؤلی تھا۔ اور اس کی لڑکی (جی) قسّی بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ حلیل کے بعد قسّی متولی ہوا۔ اس وقت غوث بن مرثد اور بن طالبعہ بن انیاس بن مفر منولی اجازہ حج تھا۔ یعنی سنا سک حج مثل قیام عرفہ و خروج عرفہ رمی و قیام منی وغیرہ اس کی اجازت سے ادا کیا جاتے تھے۔ قسّی نے عہد تولیت میں بنی کنانہ قضاہ وغیرہ قبائل قریش کو مکہ میں جمع کر لیا۔ اور یہ دعوے کیا۔ کہ بنی غوث (صوف) سے ہم امر حج میں اولیٰ ہیں۔ آخر لڑائی ہوئی۔ جس کا فیصلہ یحییٰ بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد سنات بن کنانہ نے اس طرح کیا۔ کہ خزاعی امر مکہ سے بالکل بے دخل کر دیے گئے۔ اور تولیت بہت۔ حجابہ۔ سقاہ۔ زفادہ اصلہ و عطا یعنی وہ رقم جو ساکنین حاجیوں کی امداد میں خرچ ہوتی ہے۔ اندوہ ر قومی مجمع کی جگہ اور لو کا بخار عام قسّی کر دیا۔ اس وقت قسّی نے پھر اسے لو کعبۃ اللہ کی تعمیر کی۔ اور پردہ چڑھایا۔ اور قومی عصبت کی قوت سے بنو مکہ و خزاعہ کو حدود حرم سے نکال دیا۔ اس اخراج کے بعد جرہمی تتر بتر ہو کر نطفہ النسل ہو گئے۔ اور عرب میں قومی تذکروں کے سوا اسے ان کے وجود کے نام و نشان تک نہ رہا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اَنِيسٌ وَلَمْ يَسْمَعْ بِمَكَّةَ مَسَاجِدٍ	كَانَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ النَّجْمِ وَالْأَصْفَا
صَرَفَ اللَّيَالِي بِالْغَطُوبِ الْهَوَاجِرِ	بَلَى الْخَنَ لَنَا أَهْلَهَا خَا بَادَا

۱۵ تاریخ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ بیت اللہ شریف پر پردہ چڑھایا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے قبلی پردہ چڑھایا۔ جو عمر میں بنا جاتا ہے پھر ایک مہول ہو گیا۔ کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت میں نیا پردہ چڑھاتا تھا۔ مامون الرشید سال میں تین استمال کرتا تھا۔ ایام حج میں دیباے احمد کا رجب میں قبلی کا اور عید الفطر میں دیباے سفید کا۔ پھر سلطان صالح نے مصر کے دو گولہ صدف پردہ پر وقف کر دیے۔ جب ترکی خاندان حکمران ہوا۔ تو سلطان ایمان نے چند اور گولہ اضافہ کر دیے۔ (از سریت نعمانی)

۱۶ گویا حجوں اور صفا کے درمیان کوئی آدمی نہ تھا۔ اور مکہ میں رات کو بیٹھ کر کسی نے باتیں ہی نہیں کیں۔ کیوں نہیں۔ ہم ہی تو وہاں کے ساکن تھے۔ ہم ہی کو گردشِ زمانہ اور حوادثِ عظیمہ نے نباہ کر دیا،

قصی کے بعد عبدالدار اس کا بیٹا متولی ہوا۔ لیکن بعد میں بنی عبدالدار کے ساتھ بنی عبد مناف
 یعنی عبد شمس و ہاشم و مطلب و نوفل امرتولیت میں مخالف چمکے جس سے قریش کی دو ٹوٹیاں بن
 گئیں۔ یعنی بنو اسد بن عبد لغزی بن قصی اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو نیم بن مرہ بن کعب
 و بنو حارث بن فرہ بن مالک تو بنی عبد مناف کی طرف چمکے۔ اور بنو مخزوم بن نوفل بن مرہ و
 بنو سہم بن عمر بن مصیص بن کعب اور بنو جمح بن عمر بن مصیص و بنو عدی بن کعب و غیرہ بنی
 عبد دار کے ساتھ مل گئے۔ آخر بڑی کشمکش کے بعد یہ قرار پایا کہ سقادہ و رقادہ بنی عبد مناف
 کو دیا گیا۔ یہ خدمت عبد شمس کو دی گئی اور حجابہ و لؤا و ذوہ بدستور بنی عبدالدار کے تحت
 میں رہے۔ اور اسی دستور پر عبد جاہلیت کا خاتمہ ہو گیا۔

جب اسلامی دور شروع ہوا۔ تو اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک
 ہوا۔ ماکان من حلفی فی جاہلیۃ فان الاسلام لم یزده الا شدة۔
 (کہ امرتولیت میں اسلام عند قدیم کی ہی استحکامی چاہتا ہے) الغرض جب عبد شمس سقادیہ و
 رقادہ کا بخار بن گیا۔ تو اس نے اس خدمت کو اپنے چھوٹے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیا۔ جب
 ہاشم غزہ ارض شام میں فوت ہو گیا۔ تو یہ خدمت مطلب (ہاشم کے چھوٹے بھائی) کے سپرد
 ہوئی۔

ہاشم بن عبد مناف نے ایام تولیت بیت اللہ میں مدینہ آکر سلیمان بن عمر بن عدی بن النجار
 سے نکاح کر لیا۔ (سلیمان پہلے امیجہ بن اطلاق کے تحت میں تھیں۔ اور اپنے شرف کے باعث
 کسی کو پسند نہیں کرتی تھیں)۔ ان سے عبد المطلب پیدا ہوئے۔ جب ہاشم غزہ میں فوت ہو
 گئے۔ اور عبد المطلب ملاق (۱۵ سال) ہوئے۔ تو ان کے چچا مطلب انہیں لینے کے لئے
 مدینہ میں آئے۔ سلمیٰ نے پہلے تو انکار کر دیا۔ مگر پھر وہ راضی ہو گئیں۔ مطلب ان کو اونٹنی پر
 اپنے پیچھے سوار کر کے مکہ لے آئے۔ ان کا اصلی نام شیبہ بن ہاشم ہے۔ لیکن جب لوگوں نے ان کو
 مطلب کے چچے سوار دیکھا۔ تو اس گمان سے کہ شاید مطلب غلام خرید کر لائے ہیں۔ انہیں
 عبد المطلب کے نام سے پکارا۔ ہر چند مطلب نے اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہا۔ مگر ان کے لئے
 عبد المطلب بن ہاشم ہی نام پڑ گیا۔ اس کے بعد مطلب بردمان ارض یمن میں فوت ہو گئے۔

اور امر تو کثرتِ رفاہ و سقاہ عبد المطلب بن ہاشم کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس لئے کہ اس وقت تمام قریش میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص اس خدمت کا اہل نہ تھا۔ عبد المطلب سے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پانچ بیٹیاں تھیں۔ ابوطالب۔ زبیر۔ عبد اللہ۔ ایک عائدہ (فاطمہ بنت عمر بن عائدہ) کے بطن سے ہیں۔

جب عبد اللہ سترہ برس کے ہوئے۔ تو ان کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب رئیس بنی زہرہ سے ہوئی۔ عبد اللہ تجارت کے لئے شام گئے۔ اور واپس آکر مدینہ میں انتقال کیا۔

روایت میں ہے۔ کہ عبد المطلب کو بواسطہ خواب تین مرتبہ بچہ زفرم کی ہدایت ہوئی۔ لیکن یہ کنواں چونکہ ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا۔ اس لئے بغیر اس کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس وقت اس کا حادث نامی ایک ہی لڑکا تھا۔ دو نو باب بیٹوں نے ملکر زفرم کی جگہ تلاش کر کے اسے کھدنا شروع کیا۔ جب اس کے آثار برآمد ہو گئے۔ تو دوسرے قریش بھی مدعی ہو گئے۔ کہ یہ ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ اس میں ہمارا بھی حق شرکت ہے۔ مگر عبد المطلب نے ان کی بات نہ مانی۔ آخر فیصلہ کے لئے نہیم کا بن بنی سعد حکم مقرر ہوا۔ یہ کا بن شام میں رہتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ زفرم عبد المطلب کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ انہیں دونوں میں پہاڑی پانی کی زد سے نصی بن کلاب کی بنائی ہوئی عمارت بیت اللہ میں چونکہ صدمہ پہنچ چکا تھا۔ قریش نے پھر اس کی تعمیر کی۔ اس وقت خباب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی۔ حضور صلعم بذاتِ خود بھی اس کام میں شریک تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ کہ جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو قریش میں باہم جھگڑا ہونے لگا۔ کہ اس کو کس قبیلہ کے لوگ اٹھا کر نصب کریں۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں حکم مقرر ہوئے۔ اور یہ فیصلہ ہوا۔ کہ ایک چادر پر حجر اسود رکھا گیا۔ اور تمام قریش نے ملکر اس کو اٹھایا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس پتھر کو نصب کیا۔

قریش نے اس جدید تعمیر میں۔ کعبہ اللہ کا طول بجائے بنیں کے ہاگزر کر دیا۔ اور کچھ عرض میں بھی کمی کر دی۔ مگر دروازہ اس کا اتنا ہی اونچا رکھا۔ پھر زمانہ اسلام میں جب زبیر بن معاویہ کی فوج معرکہ کربلا سے واپس آکر عبد اللہ بن زبیر کے تعاقب میں کعبۃ اللہ پہنچی۔ اور شہر کا محاصرہ کر کے پہاڑوں پر سے بذریعہ خنقیق پتھر اور آگ برسائی۔ تو اس سے کعبۃ اللہ کے پردوں میں آگ بھی لگ گئی۔ اور عمارت کی بنیادیں بھی بہت کچھ ہرج آگیا۔ لیکن اسی دن زبیر کے مرنے کی خبر آگئی۔ اور فوج زبیر واپس ہو گئی۔ پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کی۔ اور جو قریش نے کمی کی تھی۔ اس کو پھر انہوں نے پورا کر دیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدیم بنیاد پر عمارت بنائی۔ اور اس حدیث پر عمل کیا۔ جو حضرت عائشہ صدیقہ فخر سے مروی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تیری قوم کے لوگوں نے بہت قریب جا بیعت کا زمانہ نہ چھوڑا ہوتا۔ تو میں کعبۃ اللہ کو توڑ کر پھر بناتا۔ اور جس قدر زمین اس میں سے نکل گئی ہے۔ وہ پھر داخل کر لیتا۔ اور دروازہ اس کا زمین کے برابر رکھتا۔ اور دروازے بناتا۔ ایک شرقی۔ دوسرا غربی۔ اور بنیاد ابراہیم علیہ السلام کو پورا کر دیتا۔ (بخاری)

یہ تعمیر جادی الآخر سنہ ہجری میں شروع ہوئی۔ اور جب سنہ ۶ میں تمام ہوئی۔ اس تعمیر میں ستونوں پر سونے کے پرے چڑھائے گئے تھے۔

اس کے بعد سنہ ہجری میں عبداللہ خلیفہ مروانی کی طرف سے حجاج بن یوسف عامل مکہ نے پھر کعبۃ اللہ پر فوج کشی کی۔ سات مہینہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ کہ جادی الآخر سنہ ۶۰ میں حضرت عبد اللہ حاکم مکہ شہید ہو گئے۔ اور حجاج بیت اللہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے عبد اللہ کا نام شانے کے لئے سنہ ۶۰ میں کعبۃ اللہ کو گرا کر پھر بنایا۔ اور اس کی بنا قریش کی عمارت کے موافق قائم کی۔ (اس تعمیر میں عبداللہ مروانی کے حکم سے ۳۶ ہزار اشترنماں خرچ کی گئی تھیں)۔

جدید تعمیر بیت اللہ اس کے بعد ہارون الرشید نے پھر تعمیر بیت اللہ کا ارادہ کیا تھا۔ مگر امام مالک نے سخت تاکید سے اس کو منع کیا۔ اور وہ رُک گیا۔ پھر سلطان مراد چارم نے (رجو سنہ ۱۰۳۰ ہجری

تحت نشین ہوئے تھا۔ گوشہ حجرِ سود کے سوائے تمام عمارت بیت اللہ کو گرا کر از سر نو تعمیر کی۔
 اب تک وہی عمارت باقی ہے۔ مگر یہ عمارت حجاج اور قریش کی قدیم عمارت کے مطابق ہے۔ اس
 تعمیر میں چاہ نوزم پر بھی ایک عمارت بنائی گئی۔ جس پر لکھا ہوا ہے۔ فَسَقَطَ هُمْ دِيْنَهُمْ
 شَرًّا بِأَظْهَرُ مَرًّا۔ اس عمارت کے ٹوٹنے اور جس میں آجکل رئیس المؤمنین رہتا ہے۔ مضاف
 والی دَرَارِیُّون یعنی حد کے قریب ایک مدور و کدہ جہوترہ ہے۔ جس پر ائمہ کے مصنفیات
 واقع ہیں۔ سب سے بڑا مصنف حضرت امام غفرلہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کے دو طبقے
 ہیں۔ یہ مصنف کعبۃ اللہ کے رکن عراقی و ثبانی کے محاذی ہے۔ اس کی سیدھی جانب تھوڑے
 فاصلے پر امام مالک رضی اللہ عنہ کا مصنف ہے۔ اور اس کی سیدھی جانب تھوڑے فاصلے پر
 امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا اور مقام ابراہیم کے قریب حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا
 مصنف واقع ہے۔ اسی کے قریب مسجد حرام کا منبر مبارک ہے۔ نماز جمعہ اسی مصنف پر ہوتی
 ہے۔

اس وقت مسجد الحرام کے نمائندہ دروازے ہیں۔ بابُ ابراہیم۔ بابُ الودع۔ بابُ
 حمید (۱)۔ بابُ النکیہ۔ بابُ البعاد۔ بابُ المجاہد۔ بابُ الصفا۔ بابُ البعلہ۔ بابُ
 الغنوس۔ بابُ العلیٰ۔ بابُ العباس۔ بابُ النبیؐ۔ بابُ المسلم۔ بابُ الدریبہ۔ بابُ
 سلیمانہ۔ بابُ المحکمہ۔ بابُ الزاریارہ۔ بابُ القبطی۔ بابُ البطہ۔ بابُ الرمالیہ۔ بابُ
 الحقیق۔ بابُ العمہ۔ بابُ دوویہ۔ قدیم الایام میں باب ابراہیم کو باب الخیاطین اور باب علی
 کو باب بنی ہاشم اور باب عمرہ کو باب بنی سہم کہتے تھے۔ (خلاصہ تواریخ)

مقام عادِ ارم۔ عادِ اُولیٰ

عادِ ارم و عادِ اُولیٰ۔ نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد سب سے پہلی حکمران جماعت
 جو عرب میں ظاہر ہوئی۔ اس کا نام عادِ اُولیٰ قرآن مجید میں عادِ اُولیٰ ہے۔ اسی کو دوسری جگہ عادِ
 ارم سے موسوم کیا ہے۔ قَوْلُهُ وَانْهَ اَهْلُكَ عَادًا اَكْثَرُ قَوْلِهِ اَلَمْ تَكُنْ فَعْلًا دَلَّ عَلٰی عَادٍ اَرَمَ خَاتَمِ
 (العاد) عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح (اس کے وجود کا زمانہ تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح

ہے۔ لیکن حقیقی ترقی کا زمانہ دویسویں صدی سے قبل مسیح ہے۔ اور انہما تقریباً ایک ہزار سات سو

عادی کا اصلی مسکن قبل مسیح۔ عادی کا اصلی مسکن۔ احتاف یمن حضرموت ہے۔ وسعت مملکت

خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی۔ بابل۔ شام۔ سینا انہیں کے زیر اقتدار تھے۔ مزاحمت

سہر بھی انہیں کی یادگار ہیں۔ شداد فاتح مصر اور سنان بن علوان پہلا فرعون مصر ہے۔ جس

کے سامنے حضرت ابراہیم لائے گئے۔ اور اس نے آپ کی اہلیہ سے قربت کی خواہش ظاہر کی

لیکن جب معاملہ منکشف ہو گیا۔ تو اس نے اپنی عزیز بیٹی ماجرہ آجنتاب علیہ السلام کی کنیزی میں

دے دی۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد حضرت یوسفؑ مصر تشریف لاتے ہیں۔

اور ایک عرصہ کے بعد دیان بن الولید فرعون مصر ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے۔

عادی کی ترقی کا آفتاب جب ڈھلنے لگا۔ اور ان کے قدم شاہراہ صلاحیت سے ڈھل گئے

لگے۔ تو ان میں حضرت ہود علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو وہ داؤد کا اخا عادی کا اندر رہم

بالا حقیقہ "لیکن ان کی آواز غیر مسموع ہوئی۔ آخروہ دن آگیا۔ کہ خداوند عالم نے

اپنی زمین کی صلاحیت کے لئے ایک دوسری قوم کا انتخاب فرمایا۔ اور اس مفسد قوم کو

احتاف کے باہر تنوار کے عذاب سے اور احتاف کے اندر ریگ رطبان کے طوفان سے

تباہ و برباد کر دیا۔

احتاف کا قطعہ احتاف۔ یمامہ۔ عمان۔ بحرین۔ حضرموت۔ اور مغربی یمن کے بیچ میں ایک

عظیم الشان ریگستان ہے جو سینکڑوں کوس تک وسیع ہے۔ اب اسے الریح زطانی کہتے

ہیں۔ اس کے اندر بیشمار گاؤں اور بستیوں آباد تھیں۔ انہیں پر احتاف کا اطلاق ہوتا تھا۔

خصوص اس حصہ پر جو حضرموت سے بحرین تک واقع ہے۔ اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے۔

تو ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا پر اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جہاں تھمتے ہیں۔ آنا فنا ریگ

کے پہاڑوں کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ گاؤں کے گاؤں اس کے نیچے دب کر تو دھواک

بن جاتے ہیں۔ روایات میں ہے۔ کہ ہود علیہ السلام قوم عاد پر عذاب نازل ہونے سے پہلے

اپنی قوم کو لے کر احتاف سے حجاز چلے گئے تھے۔

عاد نامیہ۔ آیت میں ہے۔ هَاجِنَا هُودًا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَحِمْنٰ هُوْدًا وَاٰمَنُوْا رَحِمْنٰ هُوْدًا وَاٰمَنُوْا رَحِمْنٰ هُوْدًا

عذاب سے بچالیا) کہ حضرت یوذا اپنے متبعین کو ساتھ لیکر قوم عاد پر عذاب نازل ہونے سے پہلے احقاف سے نکل آئے تھے۔ مین کے شمالی و مشرقی حصہ میں ان کی عظیم الشان عمارتوں کے انانات پائے جاتے ہیں۔ عدائ کے قلعہ حضر الغراب میں بھی عاداتیہ کا آثار ملتے ہیں۔ ان کی ترقی کا زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ انتہا ابتدائے عہد مسیح تک۔ نعمان حکم اسی قوم کی یادگار ہے۔

فرارہود علیہ السلام | حضرت موم کے دامن کوہ دادی دوان میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر شریف ہے۔ جہاں کثرت سے لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں۔

مقام ثمود

قرآن مجید میں عاد کے بعد ثمود کا ذکر ہے۔ واذا کواذ جعلکم خلفاء من عاد (ثمود) یاد کرو کہ خدا نے ثمود کو عاد کے بعد جانشین بنایا جس طرح عاد عرب جنوبی و مشرقی پر جو خلیج فارس کے ساتھ ساتھ حدود عراق تک وسیع ہے۔ حکمران تھے۔ اسی طرح اس کے بالمقابل عرب مغربی و شمالی پر ثمود قابض تھے۔ حجاز سے شام تک قدیم شاہراہ کے آس پاس ثمود کی بستیوں | ان کی عظیم الشان عمارتوں کے نشان پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانیں چونکہ اس وادی میں جا بجا گاؤں اور شہر آباد تھے۔ لہذا اس وادی کو دادی القری سے موسوم کیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ و ثمود الذی جہا لخصہ بالحاد (ثمود جس نے وادی میں پتھر دوں کو کاٹا۔ یعنی پتھر تراش کر گھر بنائے) اس سے یہی وادی مراد ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ مگر قوم نے نافرمانی کی۔ آخر چند مومنین کے سوا اسے تمام قوم برباد ہو گئی۔ زلزلہ و بجلی کی صورت میں ان پر عذاب نازل ہوا۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے بن سام بن نوح کے بیٹے اور ارم کے بھائی ہیں۔ اس قوم کی زندگی کا زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ قبل مسیح سے سنو ۱۵۰۰ قبل مسیح تک ہے۔ عہد موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ قوم تباہ ہو قوم ثمود کا مرکزی شہر چکی تھی۔ قوم ثمود کا مرکزی شہر الحج تھا۔ جو اب حجاز ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔

مدین

مدین ان چند آبادیوں کا نام ہے۔ جن کو مدین بن اسماعیل علیہ السلام نے یعنی ان کی قوم نے آباد کیا تھا۔ یہ ملک طولا خلیج عقبہ (عیلانہ) سے ساحل بحر احمر و ارض شمو و حجاز تک واقع تھا۔ عید یعقوب علیہ السلام سے عموماً مدین کی آبادیوں کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ لہذا تقریباً کہا جاسکتا ہے۔ کہ دو ہزار قبل مسیح میں مدین کی زمین آباد ہو چکی تھی۔ یوسف علیہ السلام کو چاہہ کنعان سے مصر لے جانے والا قافلہ مدینا نی و اعلیٰ عرب ہی تھے۔ اس سے چار سو برس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوتا ہے۔ اور مصر سے ہجرت کر کے اس سرزمین میں حضرت شعیبؑ کے ہاں وہ پیمانہ ہوتے ہیں۔ اور انہی کی ایک بیٹی سے نکاح کرتے ہیں۔ اس وقت یعنی مسئلہ قبل مسیح میں ارض مدین کے پانچ صوبے تھے۔ یا یہ کہ وہ پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عوی۔ قیم۔ ضو۔ حور۔ ریح۔ اس کے بعد جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے۔ تو پھر انہوں نے مدین و موآب کے درمیان ہی اقامت فرمائی۔ لیکن اہل مدین چونکہ اس وقت قسق و فجور و ادام پرستی و کفر و عصیان کے جملہ مراتب طے کر چکے تھے۔ اس لئے بنی اسرائیل کے ساتھ انہیں موافقت نہ ہوئی۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ نے بارہ ہزار لشکر کے ساتھ مدینائیوں اور ان کے معاونین سے جہاد کیا۔ مدین کے پانچوں سردار مارے گئے۔ بیچارہ مرد عورتیں اور بچے مقتول و قید ہوئے۔ بیس ہزار کواری لڑکیاں قید ہوئیں۔

اس جنگ کے بعد حضرت موسیٰؑ کنعان کی طرف کوچ کر گئے۔ اور بنی اسرائیل کی ایک حکمران جماعت سرزمین مدین میں چھوڑ گئے۔

اس تباہی کے قریب سو برس بعد عمالیق و کنعانی عرب مدین کی حمایت میں بنی اسرائیل پر ٹوٹ پڑے اور ایک مدت تک بنی اسرائیل کو اپنا جلازگاہ بناتے رہے۔ یہاں تک کہ جددعون نامی ایک سردار بنی اسرائیل میں پیدا ہوا جس نے ٹوٹی پھوٹی قوم کو سنبھال کر مدینائیوں سے سخت لڑائی کی۔ ایک لاکھ سے زیادہ مدینائی مارے گئے۔ عویب و زیب نامی دو بادشاہ مقتول ہوئے۔

سے پہلے قبل مسیح تک میں شاہان سبا کا لقب مکار ہے جسکے معنی مذہبی بادشاہ یا کاہن کے ہوں۔ ان مذہبی بادشاہوں کا دار الحکومت حرواح تھا۔ اسکے بعد ۵۰۰ قبل مسیح تک کے بادشاہوں کا لقب ملک سبا ہے۔ جنگا دار بخلاف پہلے سلحین اور بعد میں شمرآرب تھا۔

بلقیس، بلقیہ یا بلقیہ (آفتاب) دیسی کی مناسبت پر ایک شہزادی سبا کا نام یا لقب ہے جو ۹۰۰ قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی۔ اور داخل اسلام ہو کر حرّات سلیمان میں داخل ہو گئی تھی۔

سبیل عزم سدآرب - انہی سبائی بادشاہوں کی یادگار ہے جس کی ذکر کلام مجید میں ہے۔ قول -
 فاعرضوا فادخلنا علیہم سبیل العزم پھر انہوں (اہل سبا) نے نافرمانی کی۔ تو ہم نے ان پر بند کا
 (توڑ کر) اسکا سیلاب بھیجا یعنی زبان میں پانی کے بند کو عزم اور حجاز میں ملک کہتے ہیں۔ شمرآرب کے
 دیس بائیں دو پہاڑ ہیں جنکا نام ابلق ہے۔ ان پہاڑوں کی بارشی پانی دواوی اُدین میں دیا کی طرح
 جاری ہوتا ہے۔ شاہان سبا ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۱۰۰۰ قبل مسیح میں سدآرب کی
 تعمیر کی تھی۔ یہ بند کسویا س ہاتھ چوڑا سترو ہاتھ اونچا ہے۔ اور ۳۵۰ ہاتھ کے قریب لمبا تھا۔ شیخ
 المرتبی نامی شاہ سبا نے اسکی تعمیر شروع کی لیکن پوری تعمیر مختلف شاہان سبا کے ہاتھوں سے ہوئی۔
 اس سد میں نیچے اوپر کی کھلیاں اور پانی تقسیم ہونے کے دروازے تھے۔ اس نظام آب رسانی سے
 ۳۰۰۰ کوں میں ریگستان نمونہ ثبت بنا ہوا تھا جس میں انوع و اقسام کے سیکڑ اور بیشمار خوشبودار درخت تھے۔
 ابلق کا اکثر حصہ تلافیادہ ہے۔ البتہ ایک ثلث دیوار باقی ہے۔ اسلام ڈیڑھ ہزار برس پہلے بند کے
 ٹوٹ جانے کے باعث اہل سبا کے باغات وغیرہ تباہ ہو چکے تھے۔

قوم شیح کے مکین شیح خمیری زبان میں شیح بمعنی جبار و قہار کے ہے۔ سبا کے بعد حمیر نے ۵۰۰
 برس تک یمن پر حکمرانی کی ہے۔ پھر تباہ نے تمام ملک یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس دور کی ابتدا تقریباً
 تیسری صدی عیسوی یا اوائل چوتھی صدی شروع ہو کر ۵۲۵ عیسوی پر ختم ہوتی ہے۔

مؤلف ارض القرآن بحث مملکت حمیر کے ضمن میں لکھتے ہیں حمیر کا دور (بلقیہ تیسری صدی عیسوی کے
 ادھر سے شروع ہوتا ہے اور باہمی چند ہی بادشاہ گزرتے ہیں۔ کہ کسوی جشی چوتھی صدی اور وسط میں
 یمن میں گھس آتے ہیں چند سال بعد حمیران جشیوں کو ملک سے نکال کر بحرِ طنی حکومت قائم کرتے ہیں

یہ طبقہ سترہ اممک جبکہ آخراہل حبش فاتحانہ یمن میں داخل ہوتے ہیں۔ قائم رہتا ہے۔ اتنی توینچ میں شیخ اولک نام اکاٹ الریش ہے۔ اور شیخ کی وجہ تہیہ لکھی ہے۔ کہ پہلے یمن اور حجاز میں دو بادشاہ علیہ علیہ علیہ علیہ علیہ تھے۔ ان میں ایک قبیلہ دوسرے کا تحت نہیں ہوتا تھا لیکن حادثہ الریش کی بادشاہی پر دو نو توین نفق ہو گئیں۔ اور ان کی تبعیت اختیار کر لی۔ اسلئے وہ بادشاہ شیخ کے لقب سے پکارا گیا۔ اور واضح ہو۔ کہ تبا جہ میر سے کوئی علیہ قوم نہیں ہے۔ بلکہ انہیں حمیری بادشاہوں میں سے بعض کا لقب تبا جہ ہے۔

تبا جہ کی حکومت تمام یمن۔ ہنامہ یخند تک وسیع تھی۔ آخر سترہ میں آخری حمیری بادشاہ شیخ ذوالنورس اسوی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے۔ اور تقریباً چالیس برس بعد ایرانی آتے ہیں۔ اور اہل یمن کا قدیم مذہب اس سے چند ہی سال بعد ہنامہ کی گھائیاں نور اسلام سے چمک اٹھتی ہیں۔ اسلام سے پہلے اس ملک کے لوگ کثر یہودی کچھ سائبہ پرست تھے۔ صرف اہل بخران نے عیسویت اختیار کی ہوئی تھی۔

ہجرت گاہ صحابہ بخاشی اسباب حبش کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ ان کا پایہ تخت شہر اکسوم ملک حبش کے صوبہ بحرے میں واقع ہے۔ بخاشی جس کے ملک میں صحابہ کرام نے ہجرت کی۔ نیز جس نے اسلام قبول کیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ جسکے جنازہ کی نماز پڑھی۔ وہ اسی خاندان اسی ملک اور اسی شہر کا حاکم تھا۔

صحابہ فیل عیسائی اسوی حبشیوں کے ایرہ نامی ایک بادشاہ ہوا۔ سترہ میں اس کے دل میں کتبہ اللہ کی تحریک خیال اٹھا۔ پہلے اس نے یمن کے تمام شہروں میں کلیسے تعمیر کروائے۔ اور سب بڑا کلیسا انقیس امین کی دار الحکومت شمر صغایں بنوایا۔ سترہ میں اس نے مکہ پر فحش کی جسکی پاداش میں خداوند عالم کا غضب ایک خاص فذاب کی صورت میں اس پر نازل ہوا۔ اور شکست اسے تباہ کر ڈال۔ اس ہم کو فحشہ انقیل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس سال کو عام انقیل کہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اسی سال میں اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی ہے۔ سورۃ انقیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ اس واقعہ سے تقریباً پچاس برس بعد نازل ہوئی ہے۔

صحابہ الخدود بخران بنی انقیل سے قبیلہ بنی نزا کا آباد کیا تھا شہر ہے بلاد حجاز وغیرہ میں ایک نغمہ

آبادی ہے۔ اسلام سے پہلے روم و حبش کی کوششوں سے یہاں عیسویت پھیل گئی تھی۔ یمن کی یہودی سلطنتیں ان سے ہمیشہ برسرِ خصومت رہتی تھیں۔ اس میں ایک عالیشان کتبہ تھا جو کتبہ بنجران کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہاں کے راسب طرح طرح کے حیلوں سے عیسویت کے پھیلانے میں مشغول رہتے تھے۔ تاریخ میں ہے کہ ایک نجرانی راسب سربراہ جنگل میں رہتا تھا۔ اور آنے والوں کو عیسویت کی ہدایت کرتا تھا۔ جب اس کا جام چرچا ہو گیا۔ تو دونوں حمیری شہنشاہ یمن (جو یہودی المسلک تھے) بنجران پر فوج لے کر چڑھ آیا۔ شہر کا محاصرہ کر کے اطراف شہر میں خندقیں کھدوا دیں۔ اور ان میں خوب آگ دھکاٹی۔ پھر ایک ایک عیسائی کو شہر میں سے لایا جاتا۔ جس نے یہودیت سے انکار کیا اسے آگ میں دھکیل دیا جاتا۔ قرآن مجید میں اصحابُ الاُفُود سے انہیں کی طرف اشارہ ہوا ہے :

حجر مدینہ منورہ سے آگے شمال کی جانب جوف اور وادی القری کے نام سے ایک میدان آتا ہے۔ جہاں نمود کا قبیلہ آباد تھا۔ شہر حجر انہیں آبادیوں کا دار الحکومت تھا۔ جو بعد میں اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے نام سے مدائن صالح سے موسوم ہوا۔ سلسلہ میں ہو کر جاتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر پر گزرا ہوا تھا۔ اب یہ شہر حجازِ ربیعہ سے کا ایک سٹیشن ہے اور اس سے میسر ایشین ہو کر ہے :

اصحاب الحجر اصحاب الحجر عام مفسرین اصحابِ الحجر سے الٹ نمود مراد لیتے ہیں۔ جن کا دار الخلافہ وادی القری کے شہر حجر میں تھا۔ لیکن مؤلف ارض القرآن لکھتے ہیں :

اصحاب حجر سے مراد ثابت بن اسماعیل کی اولاد ہے۔ جو سنہ ۶۰۰ء میں قبل مسیح میں حجاز سے عراق اور شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اولاد ثابت بن اسباط کا ملک تین مہاتک تادیہ کا مجموعہ تھا۔ ملک نمود و جوف و وادی القری جب کا دار الحکومت شہر حجر تھا (ملک یمن جس کا مرکزی شہر خود مدین ہی تھا۔ اور ملک اودم جس کا پایہ تخت شہر رقیم تھا۔ اسباط کا دار الخلافہ پہلے شہر رقیم قائم ہوا۔ سلسلہ قبل مسیح میں رومیوں نے وہ ملک ان سے قبضہ کر لیا۔ پھر اسباط نے اپنا مرکزی شہر حجر قرار دیا۔ سلسلہ قبل مسیح میں حضرت یحییٰ بن زکریا اس قوم کیلئے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ جن کو ایک فاسق بادشاہ حادث رابع قطبی نے شہید کر ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد قطبی سلطنت پر رومیوں نے قبضہ کر لیا۔ اور قطبی تتر تتر سوکر رومیوں اور

شامیوں کی نامختی میں زندگی بسر کرتے رہے۔

اَلْاِسْمُ عَلِيَّتِ الرَّوْمِ اَلْاِسْمُ عَلِيَّتِ الرَّوْمِ فِي اَلْاَدْنَى الْاَكْضِ سَلَامٌ مِيسَوِي سے ایرانی بادشاہ

شام و روم کی طرف بڑھنے لگے۔ خسرو پرویز نے لگاتار پندرہ سال میں متواتر حملوں سے وادی نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اڑا دی۔ عرب و شام کی درسیانی غسانی حکومت بھی تباہ کر دی۔ آخر دیوسوں سے آرمینیا۔ شام۔ بصرے تمام مشرقی حصہ نکل گیا۔

قسطنطینیہ محصور ہو گیا۔ قہر قیصر روم بھی فرار پر مجبور ہو گیا۔ کہ سورہ روم میں زیر آیت اَلْاِسْمُ عَلِيَّتِ... الخ میں اہل روم کو دوبارہ فتحیابی کی خوشخبری سنائی گئی۔ جو لفظ پوری ہوئی دفعہ ہوا کا فوج پلٹ گیا۔ ایرانیوں کے قدم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے۔

یہاں تک سلسلہ ۶ سے سلسلہ ۶ تک رومیوں نے تمام اپنے شہر ایرانیوں سے واپس لے لئے اس وقت غسانی عربوں میں حارث بن ابی شمر رئیس غسان تھا۔ سلسلہ ۶ یا ۷ میں رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم قہرل کے ہاں حضرت وحیہ کلبی اور جبیلہ بن ایہم غسانی امیر کے ہاں شجاع بن وہب کے ذریعہ دعوت اسلام بھیجی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور

اسلام کے برخلاف مدینہ منورہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جس سے سلسلہ ۶ یا ۷ میں رسول کریم صلعم نے تین ہزار صحابہ کی جمعیت حدود شام پر روانہ فرمائی۔ اوپر سے دعویٰ لشکر

بھی آرا تھا۔ بمقام موتہ تصادم ہوا۔ اور ایک غیر منفصل لڑائی کے بعد مسلمان مدینہ میں واپس ہو گئے۔ سلسلہ ۶ میں دوبارہ ہرقل نے غسان و نخم و جذام۔ عاملہ قبائل عرب کو مسلمانوں کے برخلاف

لڑائی پر ابھارا۔ اوپر سے اسلامی تین ہزار لشکر روانہ ہوا۔ مقام نبوک پہنچ کر انظار کی گئی مگر لڑائی نہ ہوئی۔ بیس دن کے بعد اہل حوران سے معاہدہ صلح کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مراجعت فرمائی۔

مدینہ منورہ (مدینۃ النبی طیبہ قدیم نام یشرب)

تقریباً سنہ ۶۱۰ میں ہزار قبل مسیح میں یشرب بن وائل (بہلائیٹل) بن ارم بن سام بن نوح نے اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ حدیث شریف میں مدینہ کو یشرب سے موسوم کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اس لئے کہ شراب کا لفظ شراب (بھنے فسق و فساد پر مشتمل ہے) - اور یا تشریب بھنے تو بخ سے
ماخوذ ہونے پر اشتباہ پیدا ہوتا ہے؛

تاریخ میں ہے - کہ در قعدیل عرم سے پہلے تقریباً سنہ قبل مسیح میں عمران بن عامر
رئیس قوم سبائے خواب میں دیکھا یا کاہن سے سنا - کہ مارب کا بند آب ٹوٹ کر قوم سبائے
کی بستیاں اور انکی آبادی تباہ و برباد کر دیگا - اس لئے وہ مارب سے نکل پڑا - اور اپنے
عیال کو لے کر عمان میں قیام پذیر ہو گیا - اور اس کا بھتیجا ثعلبہ العنباؤ بن عمر بن عامر مازدا انساؤ
معد اہل و عیال حجاز میں ثعلبہ و ذوقار کے درمیان آٹھرا - ان دونوں حجاز کے مالک بنی اسرائیل
بنے ہوئے تھے - اسرائیلیوں سے لڑنا جھگڑنا مدینہ آپہنچا - یہاں متفرق طور پر یہود آباد تھے -

مدینہ منورہ [ان سے بھی لڑائی کر کے مدینہ خالی کر لیا - اور اطراف کے یہودی و اسرائیلی قلعوں پر
بھی قبضہ کر لیا - اور مدینہ کو گڑھیوں اور چھوٹے چھوٹے قلعوں سے محفوظ بنا کر ایک خود مختار رئیس
بن بیٹھا - ثعلبہ سے حادثہ اور اس سے اوس و خزرج پیدا ہوئے - تمام انصار مدینہ انہی دو گھراؤوں
کی اولاد ہیں - پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی - تو اس مبارک شہر میں قیام
فرمایا - وہیں مسجد نبوی بنوائی - اور رہنے سہنے کے لئے مکان تعمیر کروائے - اوس و خزرج نے
معاونت کی جس سے ان کا نام انصار مشہور ہوا - اسی شہر میں آپ کا وصال ہوا - وہیں مزار مبارک
ہے - احادیث میں اس مبارک بلدہ کے کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں - یہاں تک کہ
امام مالکؒ نے اس کو مکہ مکرمہ پر بھی ترجیح دی ہے - اور بسند صحیح رافع بن خدیج سے روایت
میان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - "المدینۃ خیر من مکہ" کو مدینہ مکہ
سے افضل ہے - لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ کو اس میں اختلاف ہے؛

بدر [مدینہ منورہ کے قریب ایک قریہ ہے - جس کو قبیلہ جہینہ کے بدر نامی ایک شخص نے آباد کیا تھا -
سہ صحابہ اس مقام پر کفار مکہ سے لڑائی ہوئی - اس معرکہ میں ۳۱۵ صحابی شہید ہوئے تھے -
سامان جنگ میں تین گھوڑے - سات اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں - اور خوراک کی مقدار بھی
بہت کم تھی - اور لشکر کفار میں ایک ہزار مسلح جوان تنگ گھوڑے سے نثر اونٹ تھے خوراک کافی
تھی - اور ایک جماعت مغنیہ غوثوں کی بھی ساتھ تھی؛

اُحد بضم حمزہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مدینہ منورہ سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ستھ میں اس جگہ کفار مکہ کے ساتھ لڑائی ہوئی ہے۔ جس میں دندان و لب مبارک آنحضرت علیہ السلام شہید و زخمی ہوئے۔ پیشانی مبارک پر بھی زخم آگیا تھا۔ صحابہ کی ایک کثیر جماعت شہید ہوئی۔ اسلامی لشکر کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اس میں ایک سونہ پوتر تھے۔ اور تین علم تھے۔ (۱) لوائے مہاجرین مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ (۲) لوائے انصار اوکس سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں اور لوائے انصار خزیمہ کے حامل خباب بن المنذر تھے۔ **اللہ علیہم اجمعین**۔

اور لشکر کفار میں تین ہزار مسلح جوان۔ سات سونہ پوش۔ دو سو گھوڑے۔ تین ہزار لڑے اور نذرہ زنانہ ہو چکے تھے۔ جن میں اکثر مرثیہ خواں غور تھیں۔ جو کٹنگان بدر پر نوحہ کر کے کفار کو انتقام کے لئے ابھارتی تھیں۔ شمار میں یہ اٹھارہ دیں لڑائی ہے۔ **خین** خین۔ طائف کے قریب ایک قریہ ہے۔ ستھ میں اس مقام پر لڑائی ہوئی۔ اسلامی لشکر بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کے قریب تھا۔

جمع جمع۔ مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ (منی و عرفات کے درمیان ایک مقام ہے)

مشعر الحرام مشعر الحرام۔ مزدلفہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

نقع نقع۔ مزدلفہ و عرفات کی درمیانی جگہ۔

مصر مصر و بابل۔ یہ دو نو قدیم شہر ہیں۔ مصر۔ نوح علیہ السلام کے پوتے مصر ائم بن حام کی یادگار ہے۔ اور بابل نمود بن کوش بن حام بن نوح کا آباد کیا سو اس شہر ہے۔ سنہ قبل مسیح کے آثار میں ان شہروں کے نام پائے جاتے ہیں۔

الصفا الصفا۔ مکہ مکرمہ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اب سیڑیوں کی شکل میں ہے۔

اس کی چوہ سیڑیاں ہیں۔ اور تین کمانیں ایک چبوترہ ہے۔

مروہ یہ بھی ایک چھوٹی سی پہاڑی کا نام ہے۔ صفا کے بالمقابل واقع ہے۔ اس کی

پانچ سیڑیاں اور ایک کمان ہے۔ یہ دو پہاڑیاں حرم کعبہ اللہ کے بالکل نزدیک ہیں۔

صفا سے مروہ کی طرف جب جلتے ہیں۔ تو پہلے ۹۳ قدم کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا پتھر کا

ستون ملتا ہے۔ اور اس سے ۷۵ قدم کے فاصلہ پر دوسرا ستون ہے۔ یہ دونوں مسافر رمل کی علامت ہیں۔ ان دونوں ستونوں کو خلیفہ المستقی بامر اللہ نے ۵۰ ہجری میں تعمیر کروایا تھا۔ ان سیلوں سے آگے ۳۲۵ قدم کے فاصلہ پر مقام مروہ ہے۔ جاہلیت میں کوہ صفا پر اساف نامی مرد کی صورت میں ایک بُت بنا ہوا تھا۔ اور مروہ پر نائمہ نامی عورت کی صورت میں بُت تھا۔ دراصل یہ دونوں جہمی قوم کے عورت و مرد ہیں۔ انہوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا تھا۔ جس پر قوم نے ان دونوں کی صورت کے بُت بنا کر کھڑے کر دیئے تھے۔ تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ اور اُن پر لعنت بھیجیں۔ اور نفرس کریں۔ لیکن بعد میں جب بُت پرستی کا رواج عام ہو گیا۔ تو یہ بت بھی مبعود بن گئے۔ اور قابل پرستش مان لئے گئے۔

مسجد اقصیٰ مسجد اقصیٰ۔ بیت المقدس صائبیوں کے زمانہ میں اس کی جگہ پہلوا رہی تھی۔ بیچ میں ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ جس پر منتون کا تیل چڑھایا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں پر ایک ہیکل (مندر) بنوایا۔ جب بنی اسرائیل غالب ہوئے۔ تو انہوں نے اس مقام پر اس پتھر کو اپنا قبلہ قائم کر لیا۔ اس کی شرح یہ ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جب مصر سے لیکر بیت المقدس کی طرف چلے۔ رحیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دادا اسحاق سے وعدہ فرمایا تھا) اور تیبہ کی زمین میں آکر ٹھہرے۔ تو بذریعہ وحی انہیں سبط کی لکڑی کا ایک خاص صورت پر قبة تیار کرنے کا حکم ہوا۔ اس کی تفصیل تورہ مقدس میں ہے) اور یہ کہ تابوت و ماندہ و صحاف (پیا لے) و چراغدان مع قنادیل سب اس قبہ میں رکھ کر صائبیوں کے پتھر پر رکھ دیا جائے۔ اور ایک نبرج بھی صفات خاص سے متصف قربانی کے لئے بنایا جاوے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان وحی کے مطابق قبہ بنایا۔ اور اس میں تابوت رکھ دیا۔ اس تابوت میں وہ الواح بھی تھیں۔ جن پر احکام عشرہ لکھے ہوئے تھے۔ (لیکن یہ وہ منزلہ لوحیں نہیں تھیں۔ کیونکہ وہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکی تھیں) یہ مصنوعہ لوحیں منزلہ لوحوں کے بدلے تیار کرائی گئی تھیں۔ اور مارون علیہ السلام اس کے متوالی قرار پائے۔ تابوت اس قبہ کے بیچوں بیچ رکھا ہوا تھا۔ اور بنی اسرائیل اس کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور اس کی طرف رخ کر کے عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کے سامنے قربانی کی

جگہ بنی ہوئی تھی۔

مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جب یہود بیت المقدس پر قابض ہوئے۔ تو انہوں نے اس قبلہ کو صابائی

فرد کے پتھر مذکور پر رکھ دیا اور اسے قبلہ عبادت بنالیا۔ اس کے بعد جب داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے اس پتھر پر مسجد کی بنیاد رکھی۔ مگر جلد ہی فوت ہو گئے۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے چار برس کی لگاتار کوشش سے اس کی تعمیر کی۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر پانسو برس گزر چکے تھے۔ اس مسجد سلیمان کے ستین

سلیمانی مسجد تعمیر ہو گئی۔ پتیل کے اور چھت شیشے کی تھی۔ در دیوار اور محراب

دیگرہ سونے سے مرتب تھے۔ ہیکل۔ صورتیں۔ چراغدان۔ زنجیر۔ منارے۔ کنبیاں۔ سب سونے کی تھیں۔ اس میں ایک قبر صندوق یعنی تابوت رکھنے کے لئے بنوائی جسکو صیحوں سے اس کے دادا بزرگوار نے آئے تھے۔ آٹھ سو برس تک تمام چیزیں اس طرح رکھی چرچ

مسجد گرا دی گئی یہاں تک کہ بخت النصر نے اس پر حملہ کیا۔ اور دیوان و تباہ کر ڈالا۔ تادمہ عمارت ہیکل سب کو جلا دیا۔ مسجد کی عمارت گرا دی۔ یہودیوں کو قید کر کے غلام بنالیا۔

مدت مدید کے بعد شامان فارس کی امداد سے یہودیوں کو رٹائی ملی۔ اور وہ بیت المقدس کو واپس آئے۔ پھر انہوں نے حضرت عزرا (غزیر) علیہ السلام کی زیر اطاعت ہو کر بہن شاہ پھر مسجد بنائی۔ پارسی کی مدد سے پھر مسجد بنائی۔ مگر یہ مسجد سلیمانی مسجد سے کسی قدر

چھوٹی تھی۔ اس کے بعد یونانی۔ پارسی۔ رومانیہ۔ سلاطین کا اپنی اپنی باری میں دور دورہ رہا۔ اس کے بعد پھر یہودی دمشق پر غالب آ گئے۔ اور کچھ مدت اس کی حکومت بنی۔ حسنائی کا نہان بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہی۔ پھر اس کی قربت کی وجہ سے ہیرودس

مسجد از سر نو تعمیر ہوئی کہ پہنچی۔ اس نے اپنے عہد میں پھر از سر نو مسجد کی تعمیر کرائی

اور سلیمانی بنا پر اس کی عمارت قائم کی۔ چھ برس کی لگاتار کوشش سے نہایت عالی شان عمارت نقش و نگار سے مرتب ہو کر تیار ہو گئی۔ پھر اولاد ہیرودس پطیش شاہ روما مسجد گرا دی گئی۔ نے غلبہ پاکر مسجد کی تمام عمارت خراب کر دی۔ اور اس کی اینٹ سے

اینٹ کو جدا کر کے ایک دیوانہ کھنڈر بنادیا۔ اور وہاں ہل چلا کر زراعت کا حکم دیدیا

ایک مدت تک وہاں کھیتی باڑی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ قسطنطنین اعظم تحت نشین ہوا۔ اور اس کی والدہ ہیلانہ نے عیسویت اختیار کی۔ اور وہ زیارت بیت المقدس کے لئے دمشق آئی۔ اس نے وہاں پہونچکر پہلے اس نکلڑی کو تلاش کر لیا۔ جس پر بزرگ عیسائیاں حضرت مسیح مصلوب ہوئے تھے۔ اور وہ صلیب کوڑے میں دبی پڑی تھی۔ بزرگ وقت برآمد ہوئی۔ قیسوں کے خیال میں چونکہ حضرت مسیح مصلوب اس نکلڑی صلیب سمیت اس جگہ پھینکے گئے تھے۔ لہذا ہیلانہ نے اس کوڑے کو کڑھ کی جگہ گرجا بنوایا۔ جو کلیسائے قمامہ کے نام سے موسوم ہوا۔ گویا یہ گرجا عین قرصیح علیہ السلام پر بنوایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہیلانہ نے بیت المقدس خراب شدہ کو تلاش کر کے اہکی بنیاد تک کے پتھر نکلوا ڈالے۔ اور بزرگ خود اسے بالکل ملیامیٹ کر دیا۔ اور پتھروں پر بھی کوڑا کرکٹ پھینکوا دیا۔ اور اس بڑے پتھر کو بھی کوڑے میں ڈھکوا دیا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے کنیہ کے مقابل بیت اللہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے ہیں۔ زمانہ اسلام تک یہی حالت رہی۔ اسلامی دور میں جب بیت المقدس اور تمام شام کا ملک فتح ہوا۔ تو خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطابؓ نے بذاتِ خود بزرگ وقت اس پتھر کو تلاش کیا۔ اور مسجد کی تعمیر کی اس پر ایک مسجد بنوائی۔ پھر ولید نے اپنے عہد حکومت میں شاہ روم سے سامانِ عمارت و محارم منگو کر اسے ایک عالیشان مسجد بنا دیا۔ اس کے بعد سن ۷۰ھ میں جب خلافت کو ضعیف پہونچا۔ تو عیسائیوں نے پھر شام پر قبضہ کر لیا۔ اور سنگِ مسجد گرا دی گئی۔ مقدس پر بجائے مسجد کے ایک عالیشان گرجا تعمیر کرا دیا۔ لیکن بعد میں فوئاد ہی سلطان صلاح الدین نے مصر و شام پر اہمیت پالیا۔ اس نے پہلے عبیدوں کے آثار مٹائے۔ اور پھر نصارے کو شکست پر شکست دیکر شام سے نکال دیا۔ اور پھر مقدس پر سے گرجا منہدم کر کے اس پر پھر از سر نو مسجد بنوائی۔ جو اس وقت تک موجود ہے۔ بیت المقدس کی بار بار تخریب اور حکومتوں کے انقلابوں کے ساتھ بائبل مقدس (عہد عتیق کی آٹیس کتابیں) اور عہد جدید کی نو کتابیں) پر بھی تباہی آتی رہی۔ کبھی انہیں

چارلس ڈالمین صاحب پینکواڈیا گیا۔ کبھی جلاویا گیا۔ کبھی اس میں تغیر و تبدل و تحریف کر دی گئی۔ چنانچہ چارلس ڈالمین صاحب لکھتے ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں کتابوں کا لکھنا اور حفاظت سے رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ کیونکہ اول تو کاغذ ہی نہ تھے۔ جب کاغذ ایجاد ہوئے۔ تو پہلے ایک طرف لکھنے کا طریق قائم ہوا۔ اور یکے ہوئے کاغذ پوندہ بنا کر رکھے جاتے تھے۔ جن کے کھولنے کے لئے بڑی جگہ درکار ہوتی تھی۔ نیز اس زمانہ میں کتابوں میں بالارادہ یا اور کسی سبب سے تغیر و تبدل کا ہوجانا نہایت آسان تھا محدود کا خیال کرتے ہوئے اس قسم کی خرابیوں کی بائبل میں بہت زیادہ قابلیت تھی۔ بخت النصر کے وقت جب یہود پر نہایت ہی آئی۔ لاکھوں مقتول اور ہزاروں قید ہوئے۔ اس وقت تمام نسخے عہد عتیق کے برباد کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ اگر عزرا نہ پیدا ہوتا۔ جنہوں نے ان تمام کتابوں کو پھر لکھ کر مرتب کیا۔ تو آسمانی کتب مقدسہ کا وجود اور ان کا نشان تک بھی نہ ملتا۔ لیکن عزرا کے بعد ہی ستھنشاہ اینٹوکس نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اور یہودیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ عہد عتیق کے جس قدر نسخے اس کو مل سکے جلا دیئے۔ اور اعلان عام کر دیا۔ کہ جس کے پاس عہد عتیق کا کوئی نسخہ یا کتاب نکلے گی۔ یا وہ مذہبی رسوم ادا کرے گا۔ قتل کر دیا جائیگا۔ چنانچہ اس کی تصریح خود کتاب مقدس مقامیں اول کے پہلے باب میں ہے۔ انتہی

ڈاکٹر ملر ڈاکٹر ملر لکھتے ہیں۔ یہ امر مسلم ہے۔ کہ عہد عتیق کے تمام نسخے یروخلیم اور ہیکل کے ساتھ بخت النصر کے لشکر کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ اور عزرا کے نسخوں کی نقلیں بھی حادثہ اینٹوکس میں ضائع ہو گئیں۔ اور ان کتابوں کی صداقت کی کوئی گواہی نہ تھی جب تک کہ مسیح اور ان کے حواریوں نے بشارت نہ دی۔

ایک محقق ایک محقق لکھتے ہیں۔ عہد حواریں سے پندرہویں صدی تک تمام کلیسوں میں بائبل کا یونانی ترجمہ مستعمل تھا۔ اصل نسخہ عبری جو یہود کے پاس تھا۔ اس کی طرف جمہور سلف ملتفت نہ تھے۔ یہود نے اس میں بہت سے تغیرات کر ڈالے۔ اور دسویں صدی میں ایک مجلس منعقد کر کے تمام کتاب مقدس کے نسخوں کو غلطی اور تحریف کا الزام لگا کر جلا دینے کا

حکم دے دیا۔ اس حکم کے مطابق تمام نسخے کتاب مقدس کے جلا دیئے گئے۔ اٹھارہویں صدی میں جب یہی علماء کتاب مقدس کی تصحیح اور مقابلہ کے لئے مستعد ہوئے۔ تو ان کو کوئی ٹورا نسخہ عبرانی کا ایسا نہ ملا۔ جو دسویں صدی سے پہلے کا لکھا ہو۔

مارن صاحب | مارن صاحب لکھتے ہیں۔ یہود کا یہ حکم یقیناً محض شرارت سے تھا۔ ان کی غرض یہی ہوگی۔ کہ جب ان کے نسخے کے سوائے تمام نسخے تلف ہو جائیں گے۔ تو رد و بدل کا خاصا موقع مل سکے گا۔ اس لئے اس نسخہ کی نقلیں جو آٹھویں صدی کے بعد پھیلیں۔ زیادہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں۔ ہذا ما وفق لی ربی والحمد للہ رب العالمین۔
یہ ضروری معنایں تھیں جو جمع کر دیئے گئے ہیں۔ والتحقیق عندہ اللہ۔

محمد فتح الدین اذرنصاری ولد حکیم غلام محمد مرحوم
خوشاب ضلع شاہ پور۔ پنجاب
غفرلہ فیقعد سنہ ۱۳۷۰ھ بمطابق المبارک

- (1) Books drawn from the library by Fellows, Members of the College, Staff, or of the College Library.
- (2) Students of Intermediate B. A. more than two years' standing or respectively. They may be retained not longer than two weeks.
- (3) Books may be retained at the discretion of the Librarian if they are actually brought to the library charged to one day for each volume which is over due. The borrower's card will be withdrawn till the payment of the fine.
- (4) A fine of one anna will be charged for the loss or injury to any volume while in the borrower's possession.
- (5) Borrowers will be held strictly responsible for the loss or injury to part of the book.
- (6) No reference will be made in any part of the book.
- (7) A mark either in pencil or ink should be made in pencil or ink.
- (8) No reference will be made in any part of the book.

OSMANIA
UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔
